DATA ENTERED
17/12/95

انوار قلندر

مولف

صاحبزادہ طارق علی احمد ابن باباشاہ محمد سلیمان شاہ چشتی صابریؒ

Marfat.com

Marfat.com

DATA ENTERED
17/29/95

انوار قلندر

مولف

صاحبزادہ طارق علی احمد ابن باباشاہ محمد سلیمان شاہ چشتی صابریؒ

Marfat.com

۲۹۔۷۔۴۹۲
م ۵ ۸ ط
۴۹۷۲۶

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔

نام تالیف : انوارِ قلندر

موضوع : تصوّف

مؤلف وناشر : طارق علی احمد۔ کاشانہ سلیمانی
گلستان کالونی بہاولپور

طبع : بار اوّل

سال طباعت : ۲۰۰۳ء

تعداد اشاعت : ۵۰۰

مطبع : مہتاب پرنٹرز بہاولپور

زیر اہتمام :

اسد علی احمد F-847
ماڈل ٹاؤن بی بہاولپور

Marfat.com

انتساب

والدہ محترمہ سیّدہ آمنہ رحمتہ اللہ علیہا

کے نام جن کی دعاؤں سے عزت و توقیر

نصیب ہوئی۔

Marfat.com

فہرست

نمبر شمار — صفحہ

۱۔ حمد باری تعالیٰ ۱

۲۔ نعت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ۲

۳۔ عرضِ مولف ۳

۴۔ حرف آغاز ۱۴

۵۔ سلاسلِ تصوّف ۱۶

۶۔ اسلام کی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام ۲۲

۷۔ حضرت بابا شاہ محمد سلیمانؒ کے سلسلے کے مشائخِ کبار ۲۷

۸۔ منقبت حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ ۲۸

۹۔ منقبت حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ ۲۹

۱۰۔ حضرت غوث اعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانی الحسنی الحسینی رحمۃ اللہ علیہ ۳۰

۱۱۔ منقبت خواجۂ خواجگاں حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ ۳۷

۱۲۔ منقبت خواجۂ خواجگاں حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ ۳۸

۱۳۔ خواجۂ خواجگاں حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ ۳۹

۱۴۔ منقبت حریقِ عشق شیخ الاسلام حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ۴۸

۱۵۔ حضرت خواجہ بابا فریدالدین مسعود گنجِ شکر رحمۃ اللہ علیہ ۴۹

۱۶۔ منقبت مخدوم پاک حضرت سید علاؤالدین علی احمد صابر کلیریؒ ۵۶

۱۷۔ بادشاہِ دو جہاں حضرت خواجہ سید علاؤالدین علی احمد صابر کلیری قدس سرہ ۵۷

Marfat.com

فہرست

نمبر شمار — صفحہ

۱۸۔ قلندر ---------- ۶۱

۱۹۔ شیخ المشائخ حضرت باباشاہ محمد سلیمان شاہ قلندر چشتی، صابری، قادری، بدری، فریدی قدس سرہ العزیز ---------- ۶۳

۲۰۔ میرے والد ---------- ۷۶

۲۱۔ میری والدہ ---------- ۱۰۷

۲۲۔ ارشاداتِ قلندر ---------- ۱۱۵

۲۳۔ شجرہ نسب حضرت باباشاہ محمد سلیمان شاہ چشتی صابریؒ ---------- ۱۴۳

۲۴۔ قطعۂ تاریخ وفات حضرت حافظ محمد عبداللہ قادریؒ مدفون فیصل آباد ---- ۱۴۴

۲۵۔ قطعۂ تاریخ وفات حضرت پیر محمد حسین شاہ فردِ عالم چشتی صابری قادریؒ -- ۱۴۵
مدفون لاہور

۲۶۔ قطعۂ تاریخ وفات حضرت شاہ محمد پیر بخاری قدس سرہ مدفون لاہور ---- ۱۴۶

۲۷۔ حضرت باباشاہ محمد سلیمان چشتی صابری کے اجداد و اخلاف ---------- ۱۴۷

۲۸۔ شجرہ طیبہ حضرت باباشاہ محمد سلیمان شاہ چشتی صابری، بہاولپوریؒ ------ ۱۶۲

۲۹۔ خط و خلافت نامہ عطا کردہ پروفیسر افتخار احمد چشتی رحمتہ اللہ علیہ فیصل آباد ۔ ۱۶۶،۱۶۵

۳۰۔ خلافت نامہ عطا کردہ حضرت مولانا ابو مظہر علی اصغر چشتی، صابری --۱۶۸،۱۶۷
غنوی مدظلہ العالی۔ لاہور

۳۱۔ خلافت نامہ عطا کردہ حضرت مولانا محمد امان اللہ خان دھریجہ مدظلہ، ---- ۱۶۹
خان پور (رحیم یار خاں)

۳۲۔ اوراد و وظائف ---------- ۱۷۰

۳۳۔ ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے ---------- ۱۷۴

۳۴۔ ماں پیاری ماں ---------- ۱۷۸

۳۵۔ امی جی ---------- ۱۸۲

۱

حمد باری تعالیٰ

از حافظ لدھیانوی

ملائک آسمانوں پر اُسی کی حمد گاتے ہیں

اُسی کی شان وحدت کے حسیں نغمے سناتے ہیں

فلک کے نیلگوں پردے پہ تاروں کو بکھیرا ہے

اُسی کی گود میں مہتاب کا سورج کا ڈیرہ ہے

پرندوں کو اُڑاتا ہے فضائے آسمانی میں

اُسی کی حمد کا نغمہ ہے موجوں کی روانی میں

سمندر کی تہوں کو موتیوں سے جگمگاتا ہے

فضا میں بادلوں کے خوش نما آنچل اُڑاتا ہے

اُسی کے خوانِ نعمت سے زمانہ رزق پاتا ہے

وہی روزی رساں ہے جو بھی اس دنیا میں آتا ہے

Marfat.com

نعتِ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

حافظ مظہر الدین

اِدھر بھی کوئی ابرِ رحمت کا چھینٹا، اِدھر بھی نظر بے سہاروں کے والی
نگاہوں میں ہے تیری بخشش کا عالم، کھڑے ہیں ترے در پہ تیرے سوالی
ہمیں پھر عطا ہو جلالِ ابوذرؓ، ہمیں پھر عنایت ہو شانِ بلالیؓ
دمکتے رہیں تیرے گنبد کے جلوے، سلامت رہے تیرے روضے کی جالی
بجا ہے کہ اب تشنگانِ کرم کا عمل کی حقیقت سے دامن ہے خالی
مگر یہ شرف بھی کوئی کم نہیں ہے، تری ذات سے ایک نسبت ہے عالی
جہاں سے ملی تھی بوصیریؒ کو چادر، جہاں کیف ساماں تھی روحِ غزالیؒ
وہاں لیکے آیا ہوں کلیوں کے گجرے، وہاں لیکے پہنچا ہوں پھولوں کی ڈالی
شب زندگی کو سحر کرنے والے، خزف کو حریفِ گہر کرنے والے
عرب تیرے فیضانِ رحمت کا طالب، عجم تیری چشمِ کرم کا سوالی

Marfat.com

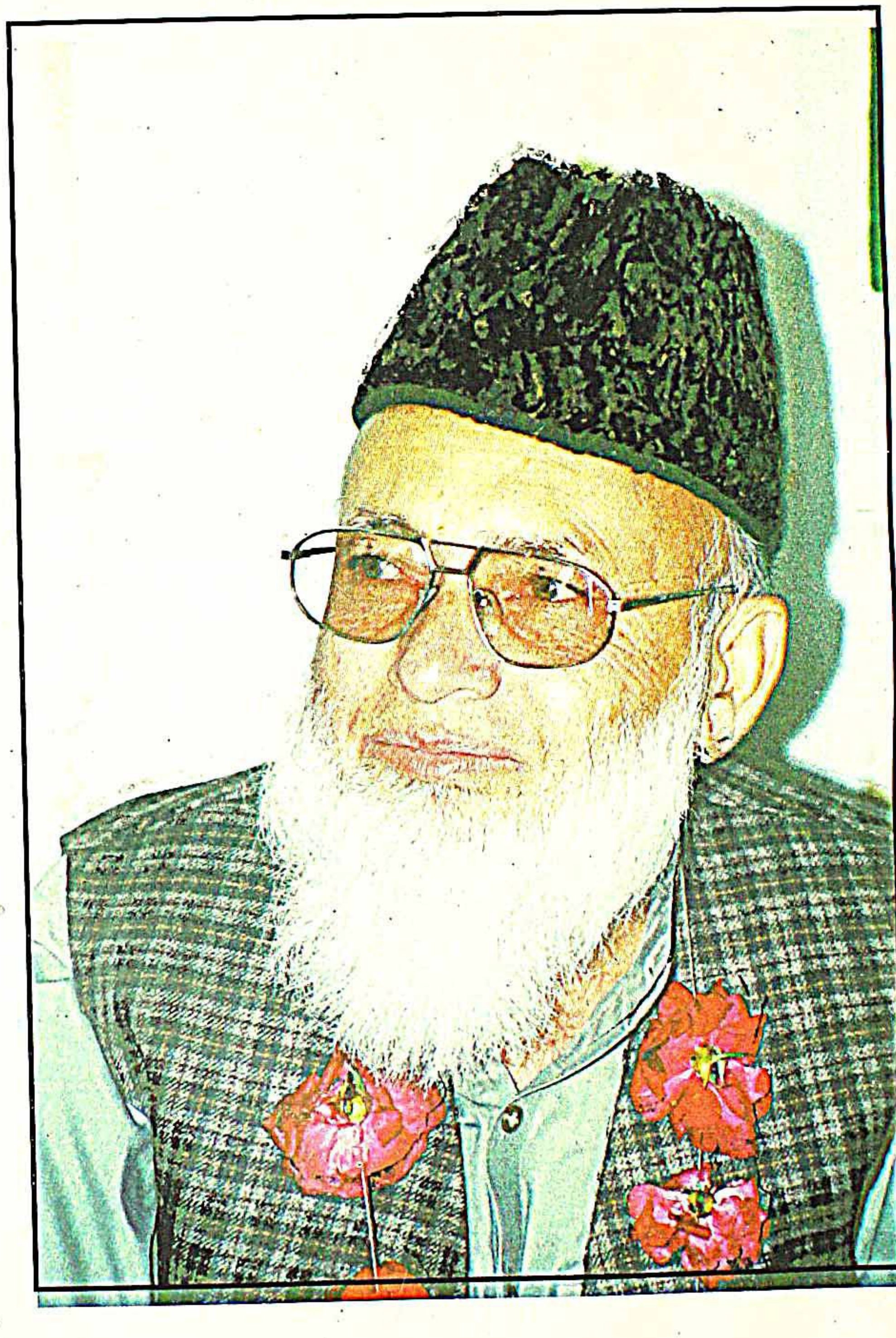

مولّف صاحبزادہ طارق علی احمد

ابن بابا شاہ محمد سلیمان شاہ رحمتہ اللہ علیہ

Marfat.com

Marfat.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ مؤلف

اللہ کریم کا شکرِ بے پایاں اور احسانِ عظیم ہے کہ اُس نے فقیر کو ''گلزارِ قلندر'' شائع کرنے کا شرف عطا فرمایا اور اب '' انوارِ قلندر'' زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء.

اس کتاب کا نام '' اُنوارِ قلندر'' میرے مربی، میرے مہربان، محققِ بے بدل، ادیبِ شہیر حضرت حسن میرانی نے تجویز فرمایا ہے۔ گو چند ایک اور نام بھی زیرِ غور تھے مگر حضرت کا تجویز کردہ نام ہی سرورق کی زینت بنا۔ دنیا میں عزت اسی کو ملتی ہے جسے خلوص نصیب ہوتا ہے۔ وقت اپنے آپ اُس کے حق میں فیصلہ دے دیتا ہے۔ میرانی صاحب اُنھی چند خوش نصیبوں میں سے ہیں۔

مجھے '' گلزارِ قلندر'' شائع کرنے کی توفیق اُنھی کے مشورے سے ہوئی۔ اُنھوں نے ''گلزارِ قلندر'' کی تاریخِ طباعت کہی اور حضرت والد صاحبؒ کے مرشد حضرت شاہ محمد حسین صاحب باغبانپوری لاہوری اور دادا مرشد حضرت پیر محمد شاہ بخاری دوسوہوی

کے قطعاتِ تاریخِ وفات کہے۔ حضرت والدِ گرامیؒ اور حضرت والدہ صاحبہ کے قطعاتِ تاریخِ وفات بھی آپ ہی کے زورِ قلم کا نتیجہ ہیں۔

حضرت والد صاحبؒ کے مزار شریف کی تعمیر کا قطعۂ تاریخ بھی آپ ہی نے کہا اور یہ سب کچھ اُنھوں نے میرے کہے بغیر کیا۔ میرانی صاحب کے کہے ہوئے یہ قطعات اب کتبات کی شکل میں مزار شریف کی زینت ہیں۔ اللہ پاک اُن کی اس بے غرضانہ خدمت کو قبول کرے، اُن کو صحت دے اور اُن کا سایہ تا دیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔

حضرت میرانی کا ایک اور احسان فقیر پر یہ بھی ہے کہ ان کے حوالے سے فقیر حضرت پروفیسر افتخار احمد چشتی صمدی سلیمانیؒ سے متعارف ہوا۔ فیصل آباد میرے اجداد کا وطن ہے۔ میرے دادا بزرگوار حضرت حافظ محمد عبداللہؒ کی قبر شریف فیصل آباد میں ہے اور تمام کنبہ بھی فیصل آباد میں آباد ہے۔ اس نسبت سے فیصل آباد آنا جانا رہتا ہے۔ حضرت پروفیسر صاحب کی کتاب ''حضور قبلۂ عالم'' میری نظر سے گزر چکی تھی اور ان سے ملنے کا اشتیاق تھا۔ حسبِ معمول فیصل آباد جانا ہوا۔ چچا بزرگوار جناب منظور احمد صاحب کو ساتھ لے کر چنیوٹ بازار میں حضرت کے مکان پر حاضری دی۔ پروفیسر صاحب کمال مہربانی سے پیش آئے۔ اُنھیں جب معلوم ہوا کہ فقیر بہاولپور سے آیا ہے تو اُنھوں نے فرمایا کیا آپ میرانی صاحب کو جانتے ہیں۔ فقیر نے بتایا کہ وہ میرے بزرگ اور مہربان ہیں۔ اس بات پر پروفیسر صاحب نے مزید توجہ اور مہربانی فرمائی۔ اور یہ تعلقِ خاطر بالآخر اتنا بڑھا کہ ایک دفعہ حاضری دی تو فرمایا'' خدا تمھیں بامراد کرے۔'' اور اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت نے ڈاک کے ذریعے فقیر کو'' خلافت نامہ'' بھجوایا۔ واضح ہو کہ حضرت پروفیسر صاحب حضرت خواجہ عبدالصمد دہلوی سلیمیؒ کے چودہ برس کی عمر میں دلّی جا کر مرید ہوئے اور ان کی خدمت میں چھ ماہ رہے۔ پاکستان بننے کے بعد حضرت خواجہ خان محمد تونسویؒ نے آپ کو چشتی نظامی سلسلے میں خلافت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت میاں نور جہانیاں

صاحبؒ اور حضرت خواجہ خان محمد تونسویؒ حضرت پروفیسر صاحب کا بڑا خیال رکھتے اور احترام کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت میاں نور جہانیاںؒ کے حکم پر آپ نے ''حضور قبلۂ عالم'' تحریر فرمائی اور حضرت خواجہ خان محمد تونسوی کے ایما پر ''تذکرہ غوثِ زماں'' زیورِ طباعت سے آراستہ فرمائی۔ آپ بلا شبہ اس دور میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے مجدّد تھے اور بقول پیر محمد اجمل فاروقی چشتیاں شریف حضرت پروفیسر صاحب اس دور کے ''قطب'' تھے۔

ع ..... خدا رحمت کناد ایں عاشقانِ پاک طینت را

آپ کی آخری کتاب ''ذکرِ خیر العباد'' ہے جو اُن کی وفات کے بعد شائع ہوئی اور اُن کے خلیفہ مجاز ڈاکٹر عبدالمجید چشتی ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈین زرعی یونیورسٹی فیصل آباد نے فقیر کو اور حضرت میرانی کو بھجوائی۔ اللہ تعالیٰ آپ کے صاحبزادے حضرت میاں ہارون احمد چشتی مدظلہ العالی کو اپنے والد بزرگوار کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

''انوارِ قلندر'' کے پہلے باب کا عنوان ''میرے والد'' ہے۔ میرے برادرِ بزرگ صاحبزادہ اسد علی احمد مدظلہ نے میری درخواست پر یہ طویل مضمون قلم بند فرمایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بڑے بھائی صاحب نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے ان کے علاوہ کوئی اور نہیں لکھ سکتا تھا۔ بڑے بھائی صاحب کا نام علمی اور تعلیمی دنیا میں کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ وہ معروف ماہرِ تعلیم ہونے کے ساتھ ساتھ اردو اور انگریزی زبان کے بہترین مقرر ہیں۔ یونیورسٹی اور کالج کی سطح کے اساتذہ ان سے استفادہ کرتے ہیں۔ اکثر کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ان کے لیکچر ہوتے ہیں۔ مختلف تعلیمی اور انتظامی عہدوں پر فائز رہنے کے بعد حال ہی میں ریٹائر ہوئے ہیں۔ عدیم الفرصتی کے باوجود اُنھوں نے میری درخواست پر حضرت والد صاحبؒ کی زندگی کے ان گوشوں کی نشان دہی فرمائی ہے جو اب تک پردۂ اخفا میں تھے۔

بڑے بھائی صاحب کی شخصیت پورے خاندان کے لیے وجہ عزت اور باعثِ فخر ومباہات ہے۔ وہ پورے خاندان کے لیے شجرِ سایہ دار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اُنھوں نے ہر حیثیت میں سب کا بھلا کیا ہے۔ اُنھی کی تربیت اور دی گئی تعلیم کے طفیل خاندان کے تمام لڑکے لڑکیاں عزت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے شاگردانِ رشید پورے ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے ہیں۔ میری جن جن سے ملاقات ہوئی سب کو ان کی خدمات کا معترف پایا۔

بھائی صاحب نے والد صاحبؒ کی شخصیت پر تصوف سے ذرا ہٹ کر لکھا ہے۔ اُنھوں نے ان کی عملی زندگی کو موضوع بنایا ہے یعنی وہ بطور انسان کیسے تھے۔ گھر والوں اور باہر کے لوگوں کیساتھ ان کے معاملات کیسے تھے۔ تحریک پاکستان کے سلسلے میں ان کی خدمات کیا ہیں۔ چنانچہ اس موضوع پر ان کی آرا انتہائی دیانت دارانہ ہیں۔ اسد صاحب ایک دیانت دار اور فرض شناس افسر کی حیثیت سے معروف ہیں۔ اُنھوں نے ۳۷ برس کی طویل ملازمت میں کسی سے ایک روپیہ بھی رشوت نہیں لی اور نہ ہی ایک روپیہ کسی کو رشوت دی اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ ان کے کردار کی یہ استقامت کسی بھی صوفی کی کرامت سے کم نہیں۔ اللہ کریم اُنھیں اپنی برکات و حسنات سمیت قائم و دائم رکھے اور نئی نسل کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین۔

دوسرے باب میں حضرت مولانا امان اللہ خان دھریجہ نے بابا صاحب کے بارے میں اپنے تاثرات و مشاہدات بیان کئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا کا مجھ فقیر پر یہ احسان ہے۔ فقیر نے جب مولانا سے لکھنے کے لیے کہا تو اُنھوں نے اپنی عدیم الفرصتی اور گوناگوں مصروفیات کے باوجود ہامی بھر لی۔ مولانا کوئی ادیب اور لکھاری نہیں ہیں۔ اُنھوں نے سادہ انداز میں بابا صاحب کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مولانا کا ذکر ہوا تو قارئین کو بتاتا چلوں کہ حضرت مولانا امان اللہ خان دھریجہ حضرت والد

اصاحبؒ کے وہ خلیفہ ہیں جنھیں حضرت نے خود بلا کر خلافت عطا کی اور دستار بندی فرمائی۔ اس کے علاوہ وفات سے پہلے فرمایا تھا کہ میری نمازِ جنازہ مولوی امان اللہ خان پڑھائیں اور غسل بھی دیں۔ چنانچہ حضرت کی وصیت کے عین مطابق وقت پر مولانا دھریجہ نگر خانپور سے بہاولپور پہنچ گئے اور آپ کو غسل دینے اور نمازِ جنازہ پڑھانے کا اعزاز نصیب ہوا۔ مولانا عالم فاضل بزرگ ہیں۔ اسرار و رموز تصوف پر گھنٹوں بے تکان گفتگو کرتے ہیں۔ ان کا وسیع حلقہِ اثر ہے۔ فقیر مولانا کی دعوت پر بارہا خان پور اور رحیم یار خاں گیا ہے۔ فقیر نے مولانا کے گرد ازدحام دیکھے ہیں۔ لوگ ہیں کہ ٹوٹے پڑتے ہیں اور آپ کے برکات وحسنات سے مستفید ہوتے ہیں۔ ابھی حال ہی میں (۲۰۰۲) آپ کے گھر پر بادشاہ دو جہاں حضرت سید علاؤالدین علی احمد صابر کلیری کے سالانہ ختم شریف اور عرس کا اہتمام ہوا۔ آپ نے فقیر کو ایک ماہ پہلے سے پابند فرمایا اور اس دوران متعدد بار شرکت کی تاکید فرمائی فقیر کو خان پور اور رحیم یار خان تک لے جانے کے لیے کار کا خصوصی انتظام فرمایا۔ چنانچہ فقیر بذریعہ کار بہاولپور سے رحیم یار خان تک گیا۔ وہاں فقیر نے ان کی عظمت ومقبولیت کے بہت سے مناظر دیکھے۔ بچے بچیاں، بوڑھے، جوان مختلف قصبات سے آئے ہوئے تھے۔ قصبہ سلطان پور، سنجر پور، صادق آباد، سردار گڑھ، کھائی خیر شاہ، دیگی بنگلہ اور نہ معلوم کن کن علاقوں سے لوگ آئے ہوئے تھے۔ اللہ پاک ان کا سایہِ ہما پایہ ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے۔

اب سے تقریباً تین برس پہلے حضرت مولانا نے زیارات کا پروگرام بنایا اور فقیر کو بطور مہمانِ خصوصی مدعو فرمایا۔ ٹیوٹا ہائس کرائے پر حاصل کی گئی۔ بیس اہلِ دل کا یہ قافلہ تین دن تک مولانا کی قیادت میں اندرونِ سندھ تک مزارات کی زیارت کرتا ہوا واپس رحیم یار خاں پہنچا۔ عزیزم اختر صاحب کے گھر پر قیام وطعام کا انتظام ہوتا تھا۔ اللہ کریم اختر صاحب اور ان کی اہلیہ کے خلوص کو قبول فرمائے اور ان کے سسر بزرگوار چودھری

محمد اشرف سعیدی کو عزت و توقیر عطا فرمائے۔ یہ یادگار روحانی سفر فقیر کو اس لیے بھی یاد ہے کہ حضرت مولانا نے اس سفر کے دوران میں فقیر کو خلافت عطا فرمائی اور سینکڑوں لوگوں کی موجودگی میں حضرت بابا غریب شاہ کوٹ دریا رحیم یار خاں کے مزار مبارک پر دستار بندی فرمائی۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

مولانا نے فرمایا کہ میں نے آپ کو آپ کے والد کی امانت لوٹائی ہے۔ ان کا یہ فرمان ان کی عظمت کا امین ہے ورنہ فقیر تو کسی قابل نہیں۔ مولانا جہاں کہیں ہوں فقیر سے ہر وقت ٹیلیفون پر رابطہ رکھتے ہیں اور بہاولپور آئیں تو ضرور شرفِ ملاقات بخشتے ہیں۔

مولانا کی تحریر ''انوارِ قلندر'' کا اہم باب ہے جس سے بہت سے روحانی گوشوں کی نقاب کشائی ہوتی ہے۔

کتاب کا چوتھا باب بابا صاحب کے اخلاف و اجداد کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ اس میں نویں نسل تک کا شجرہ دیا گیا ہے۔ چند سال پہلے (۱۹۹۹ء میں) کوچہ سدھو مصر شاہ عالمی لاہور سے ''شمیمِ جالندھر'' شائع ہوئی۔ ''شمیمِ جالندھر'' جالندھر کے صوفیائے کرام و مشائخِ عظام کے حالات پر مشتمل ہے اور موضوع کے اعتبار سے منفرد ہے۔ اس کے مصنف حضرت مولانا پیر طریقت علی اصغر ابو مظہر چشتی مدظلہ العالی ہیں۔ حضرت مولانا نے اس کتاب میں بابا صاحب کے دادا بزرگوار، والد بزرگوار اور حضرت بابا صاحب پر کئی صفحات تحریر فرمائے ہیں۔ پھر بابا صاحب کے اخلاف میں میرے برادرِ بزرگ پر اور اس فقیر پر بھی اپنی آرا کا اظہار فرمایا ہے۔ حضرت مولانا کی اجازت اور شکریے کے ساتھ یہ سب کچھ ''انوارِ قلندر'' میں شائع کیا جا رہا ہے۔ حضرت مولانا علی اصغر چشتی سراجی مدظلہ العالی صوفیائے کرام و مشائخینِ عظام کے حلقے میں بڑی نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ برادرم احمد بدر اخلاق نے حضرت سے فقیر کا تذکرہ کیا تو آپ نے کمال مہربانی سے کام لیتے ہوئے اپنی معروف تصنیف ''شمیمِ ولایت'' اپنے دستخط کے ساتھ بھجوائی۔ اس کے کچھ عرصہ

Marfat.com

کے بعد آپ اُچ شریف کے دورے پر مع احباب کے تشریف لائے تو فقیر خانے پر بھی قدم رنجہ فرمایا۔ یہ حضرت سے میری پہلی باقاعدہ ملاقات تھی۔ فقیر نے آپ کو نہایت شفیق اور ہمدرد بزرگ پایا۔ اس کے بعد تعلقات کچھ اس طرح بڑھے کہ حضرت نے اپنے مرشدِ گرامی حضرت مولانا عبدالغنی چشتی صابریؒ کے مزار واقع بادامی باغ لاہور پر لے جا کر فقیر کی دستار بندی فرمائی۔ بعد ازاں لاہور کے تقریباً بیس احباب کے ساتھ فقیر کے گھر کاشانۂ سلیمانی (گلستان کالونی بہاولپور) پر تشریف' ئے۔ محفلِ ذکر منعقد فرمائی اور لاہور سے آئے ہوئے احباب کی موجودگی میں چشتیہ صابریہ سراجیہ سلسلے میں خلافت نامہ عطا فرمایا۔ ذالک فضل اللہ یؤتی من یشاء۔ حضرت فقیر پر بہت مہربان ہیں۔ لاہور جانے کا مقصدِ وحید آپ کی زیارت ہوتی ہے۔ آپ کے مرشدِ گرامی شاہ عبدالغنی چشتی صابری کے سالانہ عرس منعقدہ بادامی باغ لاہور جانے کا بہت دفعہ موقع ملا ہے۔ بڑا ایمان افروز اجتماع ہوتا ہے۔ ہر اتوار کو بعد از نماز مغرب اپنی مسجد واقع کوچہ سدھو مصر شاہ عالمی لاہور میں محفلِ ذکر منعقد فرماتے ہیں جس میں لاہور اور بیرونِ لاہور سے لوگ شرکت کے لیے آتے ہیں۔ محفل کے بعد سب کے لیے آپ کی طرف سے طعام کا انتظام ہوتا ہے۔ فقیر متعدد بار ان محافلِ ذکر میں شریک ہوا ہے۔ حضرت والا پاک پتن شریف مع احباب کے اکثر تشریف لاتے رہتے ہیں۔ ملتان تقریباً ہر سال آتے ہیں۔ حضرت مولانا غلام ربانیؒ کے سالانہ عرس پر چشت نگر ملتان میں حضورِ والا رونق افروز ہوتے ہیں۔ ملتان میں عزیزم شاہ زمان علی کے گھر واقع ممتاز آباد میں آپ کا قیام ہوتا ہے۔ ملتان آئیں تو فقیر کو بطورِ خاص بلواتے ہیں۔ یہ آپ کا خاص کرم ہے۔ دو سال قبل ملتان تشریف لائے تو فقیر کی درخواست پر بہاولپور بھی آئے۔ حضرت والد صاحب کے مزار پر حاضری دی، فاتحہ خوانی کی اور فرمایا ''تم نے مزار شریف کی بہت اچھی عمارت بنوائی ہے۔'' آپ کا یہ فرمان فقیر کے لیے سند کی حیثیت رکھتا ہے۔

کتاب کے آخری حصے میں حضرت والدہ صاحبہ کی شخصیت و کردار پر تین مضامین شائع کئے جارہے ہیں۔ان میں سے ایک مضمون فقیر نے خود تحریر کیا ہے۔ مضمون کا عنوان ہے "ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے"۔دوسرا مضمون میری چھوٹی بہن زاہدہ اکرم نے لکھا ہے۔والدہ صاحبہ کو میری چھوٹی بہن زاہدہ اکرم کے ساتھ بڑی محبت اور وابستگی تھی ۔ میرے بڑے بھائی جناب اسد علی احمد اور بہن زاہدہ اکرم ایک ہی جگہ رہتے ہیں دونوں گھروں (واقع کربلا روڈ ماڈل ٹاؤن بی بہاولپور) کے درمیان ایک چھوٹی سی دیوار ہے۔ حضرت والد صاحب اور والدہ صاحبہ بہت سا وقت بہن زاہدہ اکرم کے گھر پر گزارتے تھے۔بڑے بھائی جناب اسد علی احمد اور بہن زاہدہ اکرم نے والدین کی بہت خدمت کی۔اللہ قبول فرمائے ۔بہن زاہدہ اکرم نے اپنے جذبات و خیالات کا اظہار "ماں پیاری ماں" کے زیر عنوان کیا ہے۔

میری چھوٹی بھانجی اور بہن زاہدہ اکرم کی چھوٹی بیٹی پروفیسر مزملہ اکرم نے "امی جی" پر مضمون لکھا ہے۔ میری ماں اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کے علاوہ اپنے پوتوں، پوتیوں اور نواسے نواسیوں سے از حد محبت فرماتی تھیں۔اسی نسبت سے وہ اپنی نواسی مزملہ اکرم سے خصوصی محبت فرماتیں۔ مزملہ کو بھی اپنی نانی جان سے خاص لگاؤ تھا۔ ان کے تحریر کردہ مضمون کے ہر لفظ سے اس قلبی لگاؤ کا اظہار ہوتا ہے۔مزملہ کی نانی جان کی دعاؤں کا اثر ہے کہ وہ آج اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں لیکچرر کے باوقار عہدہ پر فائز ہیں۔ مزملہ نے ایم۔اے ایجوکیشن اسلامیہ یونیورسٹی سے کیا۔ اپنے مضمون میں اول رہیں اور گولڈ میڈل حاصل کیا۔ مزملہ کہتی ہیں کہ یہ سب کچھ نانی جان کی محبت اور دعاؤں سے ممکن ہوا۔ مزملہ کا یہ مضمون والدہ صاحبہ کے سلسلے میں ایک اہم ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔

کچھ مزار شریف اور عرس مبارک کے بارے میں

مزار شریف کی تعمیر مختلف مرحلوں میں ہوئی۔ ۱۹۸۹ء میں پہلے ایک چبوترہ بنا۔ ایک سال بعد بجلی کی تنصیب ہوئی۔ فقیر نے اپنے نام سے میٹر لگوایا۔ جناب چوہدری محمد

Marfat.com

اکرم آرائیں ایکسئین واپڈا بہ نفسِ نفیس بجلی کی تنصیب کا اجازت نامہ لے کر رات نو بجے فقیر کے گھر تشریف لائے۔ یہ بابا صاحب کی کرامت تھی کہ واپڈا کا اعلیٰ افسر جو افسرِ مجاز بھی تھا خود آرڈر لے کر فقیر خانے پر آیا۔ بینک میں پیسے جمع کروا دیئے گئی اور چوہدری محمد اکرم آرائیں نے خود بجلی اور ٹیوب کی تنصیب مکمل کروائی۔ وہ جہاں بھی ہوں اللہ کریم ان کو خوش رکھے۔

عمارت بنانے کا ارادہ پہلے دن سے تھا چنانچہ ۱۹۹۹ء میں مزار شریف کی عمارت بنانے کا حتمی فیصلہ کر لیا گیا۔ اس سلسلے میں ضلعی انتظامیہ کو باقاعدہ اعتماد میں لیا گیا۔ اے ڈی سی جی جناب فیاض تحسین نے باقاعدہ اجازت مرحمت فرمائی اور مکمل قانونی اور انتظامی امداد بہم پہنچائی۔ کچھ شر پسند وہابیوں نے رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی لیکن پولیس اور سٹی مجسٹریٹ کی آمد نے ان کے مذموم اور ناپسندیدہ ارادے ناکام بنا دیئے۔ مسلسل ایک ماہ تک مزار شریف کی تعمیر جاری رہی فقیر ایک ماہ تک مسلسل کرسی ڈال کر وہیں بیٹھا رہا۔ حتیٰ کہ عمارت مکمل ہو گئی۔ الحمد للہ حسن میرانی صاحب نے تاریخ تعمیر کہی جس کی تختی مزار شریف کے اندر لگا دی گئی۔ پنکھا لگا دیا گیا۔ اندر باہر ٹیوب لائٹس لگائی گئیں۔ دروازوں اور کھڑکیوں کے اوپر رنگین خوبصورت شیشے لگائے گئے۔ اعلیٰ قسم کا پینٹ کروایا گیا۔ اس طرح مزار شریف کی خوبصورت عمارت مکمل ہوئی۔ مزار شریف کی تعمیر کیلئے اپنے پرائے کسی فرد و بشر سے کوئی امداد نہیں لی گئی۔ اللہ پاک کی مہربانی اور بابا صاحب کی نگاہ لطف سے کام مکمل ہوا۔ فقیر کو اللہ پاک نے مالی، انتظامی اور قانونی لحاظ سے اتنا مضبوط کر دیا کہ تعمیر کا ہر مرحلہ انتہائی کامیابی سے مکمل ہوا۔ میری بڑی بہن اور بابا صاحب کی بڑی صاحبزادی محترمہ روشن آراء نے تعمیر کیلئے مبلغ چار ہزار روپے عطا فرمائے جو تبرکاً لے لئے گئے اور شاملِ تعمیر کر دیئے گئے۔ اللہ پاک قبول فرمائے۔ آمین!

مزار شریف کے اندر دو قبور ہیں۔ ایک حضرت والد صاحب قبلہ کی اور دوسری حضرت والدہ صاحبہؒ کی۔ حضرت والدہ صاحبہ کا وصال ۱۹۹۴ء میں ہوا اور انہیں ان کی

Marfat.com

خواہش کے عین مطابق اپنے عظیم شوہر کے بالکل ساتھ جگہ مل گئی۔ حضرت والد صاحب نے میری ماں کو اپنے مرشد حضرت پیر محمد حسین شاہ باغبانپوری لاہورؒ سے دست بیعت کرایا تھا۔ قیام پاکستان سے قبل حضرت شاہ محمد حسینؒ کے حکم پر میری والدہ اور میرے والد کلیر شریف کے عرس پر بھی تشریف لے گئے جہاں حضرت شاہ محمد حسین باغبانپوری لاہوریؒ خود بھی تشریف لائے۔ حضرت والدہ صاحبہ نے اس عرسِ مبارک کی مکمل روداد فقیر کو سنائی تھی۔ ۱۹۳۹ء میں حضرت والدہ صاحبہ اور والد صاحب حضرت پیر محمد حسین باغبانپوری لاہوری کی دعوت پر بھاگل پور بہار سے ان کے گھر واقع باغبانپورہ لاہور تشریف لائے۔ حضرت پیر صاحب نے کمال مہربانی سے بڑی میزبانی فرمائی۔ حضرت والدہ صاحبہ ان کی اس پذیرائی کو ہمیشہ یاد فرماتی تھیں۔ میری ماں انتہائی نیک، سادہ اور شوہر پرست خاتون تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ پاک نے انہیں بعد از وفات بھی اپنے شوہر کے ساتھ جگہ عطا فرمائی۔ سبحان اللہ!

حضرت والد صاحب کا سالانہ عرس مبارک ہر سال ۲۹ شوال کو نہایت احترام اور عقیدت کے ساتھ مسجدِ خضرا ماڈل ٹاؤن بی بہاولپور میں منایا جاتا ہے۔ ضلعی انتظامیہ سے باقاعدہ قانونی اجازت لی جاتی ہے۔ پولیس کی نفری موجود ہوتی ہے اور سکیورٹی کا مکمل انتظام ہوتا ہے۔ بہاولپور اور باہر کے لوگ کثرت سے آتے ہیں خصوصاً صادق آباد، رحیم یار خان، خان پور، لیاقت پور، احمد پور، ڈیرہ نواب صاحب، ڈیرہ غازی خان وغیرہ سے لوگ آتے ہیں دن بھر لنگر جاری رہتا ہے جس سے مقامی اور بیرون شہر کے زائرین مستفید ہوتے ہیں۔ نعت خوانی، قرآن خوانی جاری رہتی ہے اور مقتدر علمائے کرام کا خطاب ہوتا ہے۔ اب تک میری درخواست پر علامہ سید مظہر سعید کاظمی سجادہ نشین درگاہ عالیہ کاظمیہ ملتان شریف ہر سال تشریف لاتے ہیں۔ ایک سال حضرت صاحبزادہ ارشد سعید کاظمی بھی فقیر کی درخواست پر تشریف لائے۔ فقیر ان دونوں بزرگوں کا بڑا ممنون ہے۔ بعد نماز عصر چادر پوشی

Marfat.com

ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ہی عرس کی تقریب اختتام پذیر ہو جاتی ہے۔ دن کے وقت عرس کی تقریب اس لئے منعقد کی جاتی ہے کہ لوگ عصر کے بعد آسانی سے اپنے گھروں کو لوٹ سکیں اور رات کی زحمت سے بچ سکیں۔

فقیر کو بزرگوں سے جو خلافت نامے ملے ہیں انہیں حصول برکت کے لئے شاملِ اشاعت کیا جا رہا ہے اور ان بزرگوں سے جن اوراد و وظائف کے پڑھنے کی اجازت ملی ہے انہیں بھی کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے تاکہ سب لوگ خصوصاً پیر بھائی استفادہ کر سکیں۔

فقیر نے اب تک حضرت والد صاحب کے سلسلہ میں تین اصحاب کو خلافت نامے عطا کئے ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

۱۔ جناب محمود اختر قریشی الہاشمی چشتی صابری مدظلہ مکان نمبر ۸۹۰/۱۴۸ بستی مولویاں ڈیرہ نواب صاحب۔ تحصیل احمد پور شرقیہ۔ ضلع بہاولپور

۲۔ جناب ملک سلیم خان اعوان مدظلہ۔ ۱۶/EV/19۔ واہ کینٹ ضلع راولپنڈی۔

۳۔ محمد صفدر قریشی نقشبندی چشتی صابری قادری۔ ۱ بلوچ کالونی۔ دربار روڈ۔ بہاولپور

دعا ہے اللہ کریم انہیں مشائخِ چشت اہل بہشت کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

دعاگو!

فقیر طارق علی احمد

ابن بابا شاہ محمد سلیمانؒ

کاشانۂ سلیمانی

گلستان کالونی، بہاولپور

۱۴ اگست ۲۰۰۲ء

Marfat.com

حرفِ آغاز

☆

مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

یک زمانہ صحبتے با اولیاء　　بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

یہ صحیح ہے کہ فی زمانہ اولیائے کاملین ہماری نظروں سے پوشیدہ ہیں لیکن اُن کی تصانیف، اُن کے احوال اور ملفوظات ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

امام یوسف ہمدانیؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ جب زمانہ ایسا آ جائے کہ اولیاء اللہ ہماری نظروں سے پوشیدہ ہو جائیں تو ہم کو کیا کرنا چاہیے تا کہ ہمارا ایمان سلامت رہے۔ آپ نے فرمایا:

''بزرگوں کے ملفوظات اور ارشادات کے آٹھ ورق ہر روز پڑھ لیا کرو۔''

اسی طرح حضرت شیخ شرف الدین یحیٰ منیری بہاریؒ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں:

''بزرگوں کے تذکرے اور ملفوظات کا پڑھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ان کی صحبت میں رہ کر ان کی زبان سے سننا اور ان سے استفادہ کرنا۔''

حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ نے تذکرۃ الاولیاء کے دیباچے میں اس مقولے کو حدیث سے تعبیر کیا ہے:

عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ

(صالحین کے تذکرے کے وقت رحمتِ حق کا نزول ہوتا ہے)

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہیؒ نے منازل امیرالمؤمنین

Marfat.com

کے حوالے سے حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

''تذکرۂ اولیاء عبادت ہے اور کرنے والے کے نامۂ اعمال میں عبادت کا ثواب درج کیا جاتا ہے۔''

بزرگوں کے ان ارشادات کی روشنی میں ہم کتاب کا آغاز حضرت بابا شاہ محمد سلیمانؒ کے سلسلے کے بزرگوں یعنی مشائخِ کبار کے ذکر سے کر رہے ہیں۔ مشائخِ کبار میں حضرت غوثِ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ، حضرت بابا فریدالدین مسعود گنجِ شکرؒ اور حضرت مخدوم صابر کلیریؒ کو شامل کیا گیا ہے کہ حضرت بابا شاہ سلیمان کے سلسلے کے یہ بڑے مشائخ ہیں۔ ان مشائخ نے اشاعتِ اسلام کے لیے جو گرانقدر خدمات انجام دیں وہ تاریخ اسلام کا سنہری باب ہے۔ چنانچہ ایک مضمون کی شکل میں ان کا علیحدہ ذکر کیا گیا ہے۔ موضوع کی مناسبت سے سلاسلِ تصوف کا ذکر ضروری تھا۔ اس موضوع پر کتبِ تصوف میں جو کچھ لکھا گیا اسے اختصار کے ساتھ کتاب کے شروع میں بیان کر دیا گیا ہے۔ امید ہے مؤلف کا یہ اندازِ تالیف قارئین کو پسند آئے گا اور وہ مؤلف کے حق میں دعا کریں گے۔ بزرگوں کے حالاتِ زندگی محفوظ کرنا اور انھیں بنی نوع انسان کے سامنے پیش کرنا عین منشائے الٰہی اور فرقانِ حمید کی اقتداء ہے۔ خدا ہم سب کا حشر اولیاء اللہ کے ساتھ کرے۔ آمین!

بجاہِ سید المرسلین

فقیر طارق علی احمد ابنِ شاہ محمد سلیمان چشتی صابریؒ

کاشانۂ سلیمانی۔ گلستان کالونی

بہاولپور

*

Marfat.com

سلاسلِ تصوف

اولیاء اللہ اور صوفیائے کرام کے حالات کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ ان کا تعلق کن سلاسلِ تصوف سے ہے اور ان سلاسل میں کون کون سے بزرگ منسلک ہیں ۔ یوں تو تصوف کے بے شمار سلسلے ہیں لیکن ان میں یہ سولہ خانوادے خاص ہیں:

۱۔ زیدیہ ..... بانی عبدالواحد ابن زیدؒ (متوفی ۱۷۷ھ)

۲۔ عیاریہ ..... بانی فضل بن عیارؒ (متوفی ۱۷۸ھ)

۳۔ ادھمیہ ..... بانی ابراہیم بن ادھمؒ (متوفی ۱۶۱ھ)

۴۔ عجمیہ ..... بانی حبیب عجمیؒ (متوفی ۱۵۶ھ)

۵۔ کرخیہ ..... بانی معروف کرخیؒ (متوفی ۲۰۰ھ)

۶۔ سقطیہ ..... بانی سری سقطیؒ (متوفی ۲۵۳ھ)

۷۔ طیفوریہ ..... بانی بایزید بسطامیؒ (متوفی ۲۶۰ھ)

۸۔ جنیدیہ ..... بانی جنید بغدادیؒ (متوفی ۲۹۷ھ)

۹۔ جبیریہ ..... بانی جبیر البصریؒ (متوفی ۲۸۷ھ)

Marfat.com

۱۰۔ چشتیہ ..... بانی خواجہ ممشاد علو دینوریؒ (متوفی ۲۹۹ھ)

۱۱۔ گازرونیہ ..... بانی ابو اسحاق گازرونیؒ (متوفی ۴۲۶ھ)

۱۲۔ طوسیہ بانی ..... علاؤالدین طوسیؒ (متوفی ۵۶۰ھ)

۱۳۔ سہروردیہ ..... بانی ابو نجیب سہروردیؒ (متوفی ۵۶۳ھ)

۱۴۔ فردوسیہ بانی ..... نجم الدین کبریٰؒ (متوفی ۶۱۸ھ)

۱۵۔ قادریہ ..... بانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (متوفی ۵۶۱ھ)

۱۶۔ نقشبندیہ ..... بانی خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ (متوفی ۷۹۱ھ)

مندرجہ بالا سلاسلِ تصوف میں سے چار سلسلوں کو شہرتِ عام اور بقائے دوام کی سند عطا ہوئی ۔ خصوصاً سلسلہِ عالیہ چشتیہ کو۔

۱۔ خانوادۂ چشتیہ

☆

یہ سلسلہ حضرت ابو اسحاق شامی چشتیؒ سے منسوب ہے جو حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری کے مرید و خلیفہ تھے ۔

چشت ایران کا ایک قریہ ہے جہاں سے حضرت خواجہ ابو اسحٰق حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت و خلافت سے مشرف ہوئے تھے ۔ چشت کی مناسبت سے اس سلسلے کو سلسلہ چشتیہ کہا جاتا ہے ۔

برصغیر پاک و ہند میں اس سلسلے کے بانی حضرت خواجہ معین الدین چشتی سجزی اجمیریؒ ہیں جن کا سلسلہِ طریقت چھ واسطوں سے حضرت خواجہ ابو اسحٰق چشتی سے ملتا ہے ۔

حضرت خواجہ خواجگان ، غریب نواز معین الحق والدینؒ حضرت شیخ عثمان ہارونی کے خلیفہ تھے ۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے :

Marfat.com

بہ گردابِ بلا افتاد کشتی
ضعیفان و شکستہ را تو پشتی
بحقِ خواجہ عثمانِ ہرونی
مدد کن یا معین الدین چشتی

پاک و ہند میں اس خانوادے کے دیگر جلیل القدر مشائخ میں سے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت شیخ حمید الدین ناگوریؒ، حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی، حضرت خواجہ نصیر الدین روشن چراغ دہلیؒ، بادشاہ دوجہاں حضرت خواجہ سید علاؤالدین علی احمد صابر کلیریؒ، حضرت خواجہ سید محمد حسینی بندہ نواز گیسو درازؒ، حضرت سید جہانگیر اشرف سمنانیؒ، حضرت شیخ کلیم اللہ جہان آبادیؒ، حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاں دہلویؒ، حضرت شمس الدین ترک پانی پتیؒ، حضرت جلال الدین پانی پتیؒ، شیخ احمد عبدالحق ردولویؒ، شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ، حضرت میراں جی بھیک محمد سعیدؒ اور حضرت شاہ محمد حسن رام پوری خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

بلادِ ہند و پاک میں اس خانوادے سے دو مزید سلسلے چشتیہ صابریہ اور چشتیہ نظامیہ جاری ہوئے۔ چشتیہ صابریہ سلسلہ حضرت شیخ سید علاؤالدین علی احمد کلیریؒ سے منسوب ہے اور چشتیہ نظامیہ سلسلہ کے بانی حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ ہیں۔ یہ اس منبع خواجگان کے وہ گہر ہائے آبدار ہیں جن کی تابانی سے ہندوپاکستان کا گوشہ گوشہ منور ہوا۔ ان میں سے ہر بزرگ تصوف کا ایک ادارہ اور عرفان و آگہی کا ایسا بحرِ مواج تھا جس سے ایک دنیا سیراب ہوئی اور ہزاروں مردان خدا کو دولت ولایت میسر آئی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی کا سلسلہ طریقت یہ ہے:

Marfat.com

حضرت خواجہ ابو اسحٰق کے خلیفہ حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتیؒ، اُن کے خلیفہ خواجہ ابو محمد چشتیؒ، اُن کے خلیفہ حضرت خواجہ ناصرالدین ابو یوسف چشتیؒ، اُن کے خلیفہ خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ، اُن کے خلیفہ حضرت خواجہ حاجی شریف زندنیؒ اور اُن کے خلیفہ شیخ عثمان ہارونیؒ اور اُن کے خلیفہ حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سجزی اجمیریؒ۔

ہمارے ممدوح حضرت بابا شاہ محمد سلیمانؒ کا سلسلہ چشتیہ صابریہ ہے جبکہ آپ سلسلہ نظامیہ میں بھی مجاز تھے۔ اس کے علاوہ آپ قادری بھی ہیں۔

۲۔ خانوادۂ سہروردیہ

☆

سہرورد عراق عجم میں زنجان کا ایک مقام ہے جہاں اس سلسلے کے بانی حضرت خواجہ ابو نجیب سہروردیؒ رہائش رکھتے تھے۔ ان کا سلسلہ نو واسطوں سے حضرت حبیب عجمیؒ تک پہنچتا ہے۔

اس خانوادے کو شیخ ضیا الدین ابو نجیب سہروردیؒ اور ان کے بھتیجے حضرت شیخ شہاب الدین محمد عمر سہروردیؒ سے فروغ حاصل ہوا۔ ہندو پاکستان میں اس سلسلے کے بانی حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ ہیں۔ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ بغداد جا کر شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے صرف ایک ماہ کے بعد حضرت زکریا ملتانیؒ کو بیعت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے خلفاء میں حضرت مخدوم نوح بکھریؒ، حضرت شیخ حمید الدین ناگوریؒ، حضرت شیخ نور الدین مبارک غزنویؒ بھی قابل ذکر ہیں۔

حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ کو بھی حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے شرف بیعت حاصل تھا۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی مشہور تصنیف ''عوارف المعارف'' حلقہ

صوفیا میں بہت مقبول ہے۔

۳۔ خانوادۂ قادریہ

☆

یہ سلسلہ حضرت غوث اعظم عبدالقادر جیلانیؒ سے منسوب ہے۔اس خانوادے کو برصغیر پاک و ہند میں جن بزرگوں سے فروغ حاصل ہوا ان میں حضرت شیخ کے فرزند ارجمند شیخ عیسیٰ شرف الدینؒ کا اسم گرامی سرفہرست ہے جنھوں نے سندھ کے تاریخی شہر ہالہ میں سکونت اختیار کر رکھی تھی ۔ حضرت ہی کی اولاد میں سے کچھ بزرگ ہند و پاکستان کے دوسرے علاقوں میں پہنچنے کے علاوہ بہاولپور کے مشہور قصبے اوچ شریف میں بھی اقامت گزیں ہو گئے تھے جن میں حضرت بندگی سید محمد غوثؒ کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب سات واسطوں سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تک پہنچتا ہے۔ ملتان کے گیلانی سادات کے سرخیل حضرت موسیٰ پاک شہیدؒ اوچ شریف سے ملتان آئے اور یہیں آباد ہو گئے۔ مخدوم صدرالدین گیلانی اور مخدوم شوکت حسین گیلانی آپ ہی کی اولاد میں سے تھے۔

۴۔ خانوادۂ نقشبندیہ

☆

یہ خانوادہ حضرت خواجہ بہاؤالحق والدین محمد شاہ نقشبندؒ سے منسوب ہے۔آپ حضرت سید خواجہ امیر کلالؒ کے خلیفہ تھے جن کا سلسلہ ارادت حضرت جنید بغدادیؒ تک پہنچتا ہے ۔ برصغیر پاک و ہند میں خانوادہ نقشبندیہ کا فروغ حضرت خواجہ عبدالباقی باللہؒ اور ان

Marfat.com

کے خلیفہ حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا۔ ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہؒ، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، حضرت شاہ رفیع الدینؒ۔ پنجاب میں حضرت خواجہ خاوند محمود ایشاںؒ، حضرت شیخ محمد طاہر نقشبندیؒ، حضرت خواجہ نور محمد معروف بہ بابا تیراہیؒ اور حضرت غلام محی الدین قصوریؒ اس سلسلے کے مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ آخری دور کے نقشبندی بزرگوں میں حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ کا اسم گرامی سرفہرست ہے۔

نقشبند کہلانے کی وجہ

صاحب رسالہ بہاویہ نقشبندیہ مقامات کے تذکرے میں لفظ نقشبندیہ کی وجہ تسمیہ آں جناب حضرت بہاؤالدین نقشبند کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آپ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے والدین کمخواب بافی کا کام کرتے تھے اور اس پر نقش و نگار بنایا کرتے تھے۔ اس لیے ''نقشبند'' کے نام سے مشہور ہو گئے۔ آپ ۷۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا مولد و مدفن ''فقیر عارفاں'' کا گاؤں ہے۔ یہ بخارا سے ایک فرسنگ کے فاصلے پر ہے۔ آپ ۳ ربیع الاول ۷۹۱ھ کو فوت ہوئے۔ آپ کی عمر مبارک ۷۳ سال تھی۔

ماخوذ از .....۱۔ اولیائے بہاولپور/مسعود حسن شہاب دہلوی

۲۔ خزینۃ الاصفیاء/مفتی غلام سرور لاہوری

Marfat.com

اسلام کی نشو ونما میں صوفیائے کرام کا کام

☆

اسلام کی جن اچھی روایات کو الجھانے اور متنازع فیہ بنانے کی دانستہ کوشش کی گئی ان میں ''اسلامی تصوف'' یا تصوف کو نمایاں حیثیت حاصل ہے اور اسے الجھانے اور متنازع فیہ بنانے میں بدنیتی کے ساتھ ساتھ جہالت کا بھی بڑا دخل ہے۔ تصوف خالص عربی زبان کا لفظ ہے اور قواعدِ زبان کے مطابق لفظ ''صوف'' سے مشتق ہے۔ صوف عربی میں اون کو کہتے ہیں۔ تصوف کو صوف سے مشتق نہ سمجھنا اور خالص عربی یا اسلامی نہ تصور کرنا علم کی بات ہرگز نہیں ہوگی کچھ اور ہی ہوگی۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے قبل کی تاریخ کسی ایسے پیغمبر، مصلح یا قائد کو پیش نہیں کرتی جس نے اپنے مشن کو ایک منظم تحریک کی شکل دینے کے لیے کارکنوں کی باقاعدہ تربیت کی ہو۔ یہ شرف وفخر صرف اس مزملؐ ومدثرؐ کو حاصل ہے جس نے انسانوں کی ایک ایسی جماعت تیار کی جس کا ہر فرد کسی نہ کسی میدان کا متخصص بھی تھا اور زندگی کے تمام پہلوؤں پر نظر رکھنے والا ہر فن مولا بھی۔ ان میں سے ہر فرد بلا قیدِ نسل ونسب ہر عمل کا مردِ میدان تھا مگر سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ نگاہِ نبوت کی زیر نگرانی ڈھل کر تیار ہونے والا ''انسان'' تھا۔ انسان تیار کرنا ہر کہ ومہ کا کام نہیں۔ یہ ایک سلسلہ تھا تربیت کا اور طریقہ تھا سیرت سازی کا جو خیر القرون کے گزرنے اور خلافتِ راشدہ کی جگہ کاٹ کھانے والی بادشاہت کے آ جانے کے بعد ختم ہونے لگا تھا۔ نظام مصطفیٰ کے پروردہ وتربیت یافتہ ابوذرؓ، صہیبؓ اور بلالؓ وسلمانؓ کی مثالیں جب مفقود ہونے لگیں تو حکمتِ خداوندی نے اس نظام کو بقائے دوام عطا کرنے کے لیے صلحائے امت کا ایک گروہ پیدا کر دیا جس نے

۶۹۷۲۶

Marfat.com

اس نظامِ مصطفوی کو زندہ و پائندہ رکھنے کا عزم بالجزم کیا اور اپنے رب سے عہدِ وفا باندھا اور دارِ ارقمؓ اور صفہ کے نبویؐ نظامِ تربیت کو آگے بڑھانے کا کام سنبھال لیا۔ گردشِ ایام کے خطرات اور وقت کی آندھیاں بھی ان لوگوں کو اتباعِ سنت سے متزلزل نہ کر سکیں۔ یہ لوگ علم و عمل کا مکمل نبوی نمونہ تھے۔ اس لیے اہلِ اسلام کے دلوں پر حکومت کرنے لگے۔

سنت و طریقہِ نبوی کو اپنانے والے یہی لوگ اصحابِ طریقت اور صوفیائے کرام کہلائے۔ یہ نانِ جویں پر گزر بسر کرتے تھے مگر قوتِ حیدری صرف انھیں کا حصہ تھا۔ یہ خود کو جہادِ اصغر تک محدود نہ رکھتے تھے۔ یہ جہادِ اکبر کے نبوی طریق کو اپنائے ہوئے تھے۔ مجاہدہِ نفسی، اصلاحِ خلق اور خدمتِ دین و امت ان کے لیے میدانِ عمل تھا۔ اعلائے کلمۃ الحق ان کا نعرہ تھا۔ راہِ حق میں جاں سپاری ان کا مقصود تھا۔ یہی لوگ تھے جو نبوت کے وارث، اشاعتِ دین کے علمبردار اور خدمتِ خلق کے دعویدار تھے۔ انھی کو ''صوفی''، ''اہلِ طریقت'' اور اصحابِ تصوف کہا جاتا ہے۔

صوفیائے کرام کے بارے میں گوشہ نشینی کا جو تاثر ہے وہ غلط ہے۔ اگر انصاف کی نظر سے صوفیائے کرام کی زندگیوں کا جائزہ لیا جائے تو اُن کی زندگی آرام و آسائش، عافیت اور اطمینان کی نہیں بلکہ جدوجہد اور کشمکش کی زندگی دکھائی دیتی ہے۔ ناخوشگوار حالات میں جو سخت کام صوفیائے کرام نے کیا، اس کا تصور بھی انسان کو لرزا دیتا ہے اور صوفیائے کرام کی محنت، سخت کوشی اور اخلاص و ایقان کا قائل بنا دیتا ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں اشاعت اسلام کا سہرا صوفیائے کرام کے سر ہے۔ صوفیاء کی کوششوں کا ذکر کیے بغیر برصغیر کی اشاعت اسلام کی تاریخ مکمل نہیں ہوتی۔ دلوں میں ایک خدا کے لیے جذبہِ عبادت اور محبت، کردار میں پاکیزگی اور عفت اور انسانوں کے مختلف طبقات میں وحدت و مؤدت پیدا کر کے صوفیائے کرام نے تاریخ کا رخ موڑ دیا۔

حالات کی ناسازگاری مگر اشاعتِ اسلام کی بے قراری، بزرگانِ دین کو چین نہ لینے

Marfat.com

دیتی ۔ ناسازیِ حالات کے باوجود ان نیک طینت انسانوں کے منہ سے جو کچھ نکلتا دل پر پڑتا، الفاظ جتنے سادہ ہوتے تاثیر اتنی ہی زیادہ ہوتی ۔

برصغیر پاک و ہند میں پہلے اسلامی مبلغ ایک بزرگ شیخ اسماعیلؒ ہیں جو ۳۹۵ھ میں لاہور میں وارد ہوئے ۔ جو شخص ان کے وعظ میں ایک مرتبہ آ جاتا وہ اسلام قبول کیے بغیر نہ جاتا تھا ۔

ہندوستان میں تبلیغِ اسلام کا سب سے زیادہ کام خواجہ معین الدین حسن سجزی چشتی اجمیری نے سرانجام دیا اور آپ کے خلفاء کی بے پناہ کوشش سے ہندوستان کا چپہ چپہ نور اسلام سے منور ہو گیا ۔ آپ نے اجمیر کو اپنا مرکز بنایا ۔ راجپوتانہ اور ملحق علاقوں میں تبلیغی سرگرمیاں تیز کر دیں ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان نورِ اسلام سے جگمگا اٹھا اور سلسلہِ چشتیہ کو جو مقبولیت نصیب ہوئی کسی دوسرے کے لیے ایسی مقبولیت شاید و باید ۔

قال میں تاثیر اور حال میں کشش کا یہ عالم تھا کہ جس طرف نظر اٹھ جاتی کام کر جاتی ۔ جہاں گئے کوچے بسا آئے ۔ پروفیسر آرنلڈ لکھتے ہیں:

''جب آپ اجمیر جاتے ہوئے راستے میں دہلی ٹھہرے تھے تو وہاں آپ نے سات سو ہندوؤں کو مسلمان کیا تھا ۔''

آپ کے سلسلہِ عالیہ سے منسلک اور آپ کے محبوب و مقرب خلیفہ خواجہ بختیار کاکیؒ کے فیض یافتہ اور مشہور بزرگ خواجہ فریدالدین گنجِ شکرؒ نے پنجاب کی سولہ قوموں کو مسلمان کیا ۔

حضرت بابا فریدالدین مسعود گنجِ شکر اور آپ کے خلفاء و خدام کی تبلیغی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر محمد شفیع رقم طراز ہیں:

''شیخ فریدالدین گنجِ شکرؒ اور آپ کے مریدوں کی سعی مشکور سے تمام پنجاب نور اسلام سے منور ہو گیا ۔ سیال جو پنجاب کے مغربی میدانی علاقے کی نہایت اہم اقوام میں

Marfat.com

سے ہیں اور غالباً پنوار راجپوت ہیں ان کا مورثِ اعلیٰ پاک پتن میں جناب باباؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لایا اور اس کی قوم نے بھی اسلام قبول کیا۔ سیال قوم جھنگ، ملتان، گجرات، مظفر گڑھ اور دیگر اضلاع میں پھیلی ہوئی ہے۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ کا سلسلہ چشتیہ اس قدر وسیع اور مؤثر تھا کہ ہندوستان کا کوئی کونہ ایسا نہ رہا جہاں آپ کے خلفاء، خدام اور فیض یافتہ افراد نہ پہنچے ہوں اور اسلام کی تبلیغ کا حق ادا نہ کیا ہو۔ خواجہ فرید الدین گنجِ شکرؒ اور خواجہ نظام الدین اولیاء دونوں اہلِ دل بزرگوں نے اس معاملے میں جس دلچسپی اور انہماک کا مظاہرہ کیا ہے، برصغیر کا ایک ایک مسلمان بچہ ان کا ممنون و مشکور ہے۔ گجرات، دکن اور بنگال میں جو بزرگ اسلام لے کر گئے ان میں مولانا حسام الدین ملتانی، مولانا کمال الدین علامہ، شیخ برہان الدین غریب اور مولانا سراج الدین عثمان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ سب بزرگ خواجہ نظام الدین اولیاء کے خلفاء میں سے ہیں۔

ہندو پاکستان کی اسلامی تاریخ میں سید جلال الدین سرخ بخاری کی آمد بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اوچ کی قدیم اور تاریخی خانقاہ کی بنیاد آپ کے ہاتھوں پڑی۔ اس جنگل میں منگل آپ کے دم قدم سے ہوا۔ اس خانقاہ سے نہ جانے کتنے گم گشتہ راہ راہ یاب ہوئے اور کتنے محروم فیض یاب ہوئے۔ آپ کے پوتے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے پنجاب کے کئی قبیلوں کو مسلمان کیا تھا۔

حضرت مجدد الف ثانی نے اکبر بادشاہ کے دین الٰہی کی برملا مخالفت کی اور جہانگیر کے آگے سر جھکانے سے انکار کر دیا۔

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے　　جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیِ احرار

آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم سرہندی کے ہاتھ پر نو لاکھ انسانوں نے بیعت اور توبہ کی۔ صدر الصدور شیخ عبدالنبیؒ کی تلقین کا اثر تھا کہ اکبر بادشاہ نماز باجماعت کی

پابندی کے ساتھ اذان خود دیتا اور مسجد کی صفائی خود کرتا تھا۔

تصوف کے درخشندہ آفتاب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانیؒ کی تبلیغی کوششوں کا مختصر جائزہ لیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت شیخ نے تحریر اور تقریر دونوں سے اسلام کی جو گراں بہا خدمات سرانجام دی ہیں ان کی گھن گرج ہزار سال گزرنے کے باوجود برقرار ہے۔ اگر مقبولیت انام اور محبوبیت عوام کو کسی کی عظمت و ہردلعزیزی کا معیار مان لیا جائے تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی ذات پر پوری اترتی ہے۔ کسی کہنے والے نے سچ کہا ہے کہ آپ کی آمد اسلام کے افسردہ چمن میں باد بہاری کی حیثیت رکھتی ہے، جس سے ہر گل رنگ و بو میں نہا گیا۔ اس مرد قلندر نے ٹوٹی چٹائی پر بیٹھ کر وہ کچھ کیا جو تخت پر بھی انجام نہ پا سکتا تھا۔ آپ ہی کی نظر کا اعجاز اور تربیت کا نتیجہ تھا کہ مندھی آنکھیں یک بیک کھل گئیں اور دھندلا ذہن صاف ہو گیا۔ ایک زمانہ گواہ ہے کہ حضرت شیخؒ کے ہاتھوں قطرے دریا بن گئے، بے راہ ہادی اور مردے مسیحا بن گئے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے معتمد اور ممتاز شاگرد حضرت عبداللہ جبائی روایت کرتے ہیں کہ حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے:

''ایک لاکھ آدمیوں سے زیادہ عیاروں اور ڈاکوؤں نے میرے ہاتھ پر توبہ کی اور پانچ ہزار سے زائد یہودی مسلمان ہوئے۔''

سچی بات یہ ہے کہ جملہ اہلِ اسلام ان بے نوا فقیروں کے ممنون احسان ہیں جن کے صدقے ان کے دل نورِ اسلام سے منور ہوئے ورنہ کیا خبر آج ہم کسی مندر میں دیوی کے چرنوں میں آلتی پالتی مارے بیٹھے اس کی ڈنڈوت بجا لا رہے ہوتے۔

(ماخوذ از ''روحِ تصوف'' از صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی)

☆

حضرت بابا شاہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ علیہ

کے

سلسلے کے مشائخِ کبار

☆

۱۔ قندیلِ نورانی محبوبِ سبحانی، قطبِ ربانی، غوثِ صمدانی، شہبازِ لامکانی حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ خواجۂ خواجگان، عطائے رسول فی الہند، ہندالولی، خواجہ غریب نواز، حضرت معین الحق والدین چشتی سجزی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

۳۔ خریقِ عشق، زہدالانبیاء، مسعودالعلمین، شیخ الاسلام بابا فریدالدین مسعود گنجِ شکر فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

۴۔ بادشاہِ دو جہاں، سلطان الاولیاء، ختم الارواح مخدوم سید علاؤالدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

منقبت

حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ

○

از حضرت مخدوم علاؤالدین صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ

(وفات ۶۹۰ھ بمطابق ۱۲۹۱ء)

❖

من آمدم بہ پیشِ تو سلطان عاشقاں
ذاتِ تو ہست قبلۂ ایمانِ عاشقاں
در ہر دو کون جز تو کسے نیست دستگیر
دستم بگیر از کرم اے جانِ عاشقاں

★

Marfat.com

منقبت

حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ

*

از حضرت سید محمد حسینی خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۸۲۵ھ بمطابق ۱۴۲۲ء)

❖

یا قطبِ ما یا غوثِ اعظم یا ولی روشن ضمیر
بندہ ام تا بندہ ام جز تو نہ دارم دستگیر
بر درِ درگاہِ والا سائلم یا آفتاب
خاطرِ ناشاد را کن شاد یا پیران پیر

★

Marfat.com

حضرت غوث الاعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانی الحسنی الحسینی

رحمۃ اللہ علیہ

*

ہمارے بزرگانِ دین میں سے جس بزرگ کی کرامتیں تواریخ اور تذکروں میں سب سے زیادہ ملتی ہیں وہ سرخیل علمائے عارفین اور سرتاج اولیائے مسلمین حضرت غوث الاعظم شیخ سید عبدالقادر الجیلانی الحسنی الحسینی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی ہے۔ حضرت والا کے علم وعمل، اتقاء و پرہیزگاری، وعظ و پند کی اثر اندازی اور حیرت ناک کرامات وتصرفات کا تذکرہ اُن کے معاصرین سے لے کر آج تک کے تمام تذکرہ نویس اور مؤرخین اس کثرت وتواتر کے ساتھ پیش کرتے رہے ہیں کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔

حضرت نہ صرف عابد وزاہد، عارف وکامل اور صاحبِ کرامات وتصرفات بزرگ تھے بلکہ اپنے زمانے کے عدیم المثال مشہور معلم، ماہر فقیہ، صاحبِ قلم اور بہترین واعظ بھی تھے۔ کوئی دوسرا شخص اس جامعیت اور اس کاملیت کا حامل ان کے زمانے میں نہیں تھا۔ ان سے پہلے والے بزرگوں کا نام اگر نہ لیا جائے تو یہ مکمل یقین سے اور صحیح طور پر کہا جا سکتا ہے کہ امتِ اسلامیہ میں ان سے زیادہ بلکہ ان کے برابر مقبولیت بھی کسی دوسرے بزرگ کو حاصل نہیں ہوسکی۔ شاید اسی وجہ سے شیخ عبدالقادر جیلانی کو "بڑے پیر" کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے اور یہ صحیح ہے کہ وہ تمام پیروں سے بڑے پیر تھے۔ اُن کا روحانی فیض بہت ہی وسیع ہے اور ان سے نسبت رکھنے والوں کی بہت بڑی تعداد ان کے زمانہ چھٹی

صدی ہجری سے آج تک قائم ہے۔ وہ پیر دستگیر کہے جاتے ہیں اور یہ لقب ان کے لیے سزاوار ہے کیونکہ انھوں نے تمام عمر راہ حق سے ہٹ جانے والوں اور ایمانی رفعت سے گرنے والوں کی دستگیری کی اور اُن کے ہاتھ پکڑ کر انھیں سیدھی راہ پر لگا دیا۔ ہزاروں کفار نے اُن کے دستِ حق پرست پر توبہ کر کے دین حق اختیار کیا اور لاکھوں آلودہِ عصیاں نے ان کے وعظوں اور نصیحتوں سے ایمان و ایقان کی روشنی پائی۔ وہ نہ کسی حاکم اور بادشاہ کے پاس جاتے اور نہ ان سے کوئی ہدیہ و نذرانہ قبول فرماتے تھے۔ لیکن ان کی محفل میں زمانے کے بڑے بڑے صاحبِ جلال بادشاہ اور حاکم حاضر ہوتے تھے اور اکثر دور بلکہ عام غرباء اور مساکین کے پیچھے بیٹھتے تھے۔ اُن کی محفل میں کسی کو کوئی خصوصی اعزاز و اکرام میسر نہ آتا تھا۔ لیکن پھر بھی بادشاہ و وزیر پھٹے پرانے گدڑیوں والے فقراء کے پیچھے سر جھکا کر بیٹھتے اور ان کے الفاظ سے مسکنتِ قلب کا سامان حاصل کرتے تھے۔

وہ بڑے پُرجلال انداز میں وعظ فرماتے اور بغیر مداہنت و چاپلوسی کے پیغامِ حق سناتے۔ بادشاہ اُن سے ڈرتے اور وزراء اُنکے سامنے کانپتے تھے۔ حق و صداقت کی آواز ایمان بھرے دل کی گہرائیوں سے بلند ہوتی اور اس قوت و جلال کے ساتھ بلند ہوتی کہ شاہوں کی پُرغرور گردنیں ان کے حضور شرم و ندامت کے ساتھ جھک جاتی تھیں۔

اُن کی محفل میں سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سختی سے پابندی کی جاتی تھی، بدعت کو وہاں آنے کی اجازت نہ ہوتی۔ وہاں صرف خدا اور رسول کی اطاعت کا درس دیا جاتا تھا۔ انھوں نے اپنی شہرہِ آفاق کتاب ''فتوح الغیب'' کے مقالہ دوم میں فرمایا ہے:

''سنت کی پیروی کرو، بدعت سے بچتے رہو۔ اللہ و رسول کی فرمانبرداری کرو، اُن کے حکم سے ہرگز باہر نہ جاؤ، اللہ کو یکتا جانو اور کسی کو اُس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ اُس کو پاک و بے عیب جانو اور اس پر بہتان نہ لگاؤ۔ دین اسلام کو سچ جانو اور شک کو قریب نہ آنے دو۔ بلاؤں پر صبر کرو اور کبھی نہ گھبراؤ۔ ثابت قدم رہو اور کبھی نہ بھاگو۔ اللہ تعالیٰ سے فضل و

کرم کا سوال کرو اور سوال کرنے سے نہ اُکتاؤ اور نہ آزردہ ہو جاؤ۔ انتظار کرو، امید رکھو ،کبھی ناامید نہ ہو جاؤ۔

''آپس میں برادرانہ محبت اور دوستی کو قائم رکھو۔ دشمنی پیدا نہ ہونے دو۔ اللہ کی اطاعت و بندگی میں اکٹھے ہو جاؤ۔ بکھر کر ایک دوسرے سے جدا جدا نہ ہو جاؤ۔ آپس میں محبت رکھو، کینہ نہ رکھو، گناہوں سے پاک و صاف رہو۔ اپنی زندگیوں کو گناہوں سے آلودہ نہ ہونے دو۔ اپنے رب کی بندگی کے ذریعے اپنے لیے زینت و زیبائش حاصل کرو۔ اپنے مالک کے دروازے سے دور نہ ہٹ جاؤ۔ اسی کی طرف توجہ قائم رکھو۔ اپنا منہ کبھی نہ پھیرو۔

''توبہ کرنے میں دیر نہ کرو۔ دن ہو یا رات اپنے پروردگار کے حضور اپنے گناہوں سے معافی مانگتے رہو۔ توبہ کرنے سے کبھی ملول نہ ہو جاؤ۔ امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔ تمھیں نیک بخت بنایا جائے گا۔ تمھیں دوزخ سے نجات دی جائے گی۔ جنت میں تمھیں خوشی عطا فرمائی جائے گی۔ اللہ کی دید تمھیں میسر آئے گی۔''

یہ ہے خلاصہ اس تعلیم و تلقین کا جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ دیا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت شیخ نے فرمایا:

''اگر تم اللہ کے سوا کسی اور سے کچھ مانگتے ہو یا اس سے ذرا بھی ڈرتے ہو تو یہ سمجھ لو کہ تمھارا ایمان ضعیف اور تمھارا دین نامکمل ہے۔''

بغض و محبت کی بنیاد یہ بتائی کہ:

''جب دل میں کسی سے محبت و عداوت کا اثر پاؤ تو اس شخص کے اعمال کو قرآن مجید اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر کے اس کا مقابلہ کرو۔ اگر اس معیار پر اس کے اعمال نہ اتریں تو ایسے آدمی کو جلد از جلد بھول جاؤ۔ اور اگر اس کے اعمال صحیح ثابت ہوں تو اس کی عداوت کو دل سے نکال دو اور توبہ کر لو۔''

Marfat.com

یہ ہیں وہ تعلیمات اور اصولِ زندگی جن پر حضرت شیخ نے اپنی طویل زندگی بسر کی اور لوگوں کو اس کی طرف بلاتے رہے۔ ہزاروں نہیں لاکھوں نے ان کی دعوت کو قبول کیا اور اپنی زندگیوں کو سنوار کر دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی حاصل کی۔ آج جو بھی چاہے ان تعلیمات پر عمل کر کے اپنی زندگی کو سنوار سکتا ہے۔

اسمِ مبارک

اسمِ مبارک عبدالقادر تھا۔ ابو محمد کنیت تھی اور محی الدین لقب تھا۔ عقیدت مندوں نے اپنی عقیدت سے بہت سے مزید القابات کا اضافہ کیا ہے۔ مثلاً محبوبِ سبحانی، غوث اعظم، قطبِ ربانی، فردِ صمدانی، پیر دستگیر، بڑے پیر وغیرہ۔

نسب

آپ کا پدری نسب نامہ یہ ہے: محی الدینؒ ابو محمد عبدالقادر بن ابی صالح موسیٰ جنگی دوستؒ بن ابی عبداللہ یحییٰ الزاہدؒ بن محمد داؤدؒ بن موسیٰؒ بن عبداللہؒ بن موسیٰ الجونؒ بن عبداللہ المحضؒ بن حسن المثنیٰؒ بن امامِ حسن السبطؓ

آپ کی والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ اور کنیت ام الخیر تھی۔ یہ حضرت شیخ عبدالقادر الصومعی الزاہد الحسینی کی دختر نیک اختر تھیں۔ شیخ عبدالقادر الصومعی گیلان (جیلان) کے مشہور بزرگ اور بڑے مستجاب الدعوات عالم تھے۔ نسباً حضرت امام حسین السبط رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہیدِ کربلا کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے الزاہد الحسینی کہلاتے تھے اور اسی لیے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کو حسنی حسینی لکھا جاتا ہے کہ پدری نسب حضرت امام حسنؓ سے اور مادری نسب حضرت امام حسینؓ سے مل جاتا ہے۔

ولادت

حضرت شیخ کی ولادت ۴۷۰ھ میں بمقام گیلان ہوئی۔ بعضوں نے سالِ ولادت

Marfat.com

۴۷۱ھ لکھا ہے۔ گیلان، گیل، جیل اور جیلان سب ایک قصبے کے نام ہیں جو طبرستان کے نواح میں واقع ہے۔ فارسی میں اس کو گیلان اور کبھی تخفیف کر کے گیل کہتے ہیں۔ عربی میں گ کو ج سے بدل کر جیلان اور جیل کہا جاتا ہے۔ بعضوں نے گیلان کے قریب نیف نامی ایک گاؤں میں ولادت بتائی ہے۔

جب حضرت کے والد بزرگوار کا انتقال ہوا تو آپ ابھی بچے ہی تھے۔ مادر مہربان نے جو ایک دیندار اور بزرگ خاتون تھیں حضرت شیخ اور ان کے دونوں بھائیوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام فرمایا۔ حضرت نے ابتدائی تعلیم اپنے قصبے ہی کے بزرگوں سے حاصل کی۔ ممکن ہے اپنے جلیل القدر نانا اور ماموں سے بھی کچھ پڑھا ہو۔

۴۸۸ھ میں جب کہ آپ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ تلاش علم میں بغداد آئے۔ اس وقت المستظہر باللہ بن المقتدی بامر اللہ العباسی خلیفہ تھا۔ بغداد آ کر آپ نے اساتذہ بغداد سے علمِ تفسیر، علمِ حدیث، علمِ فقہ و اصول فقہ اور علمِ ادب و معانی کی تکمیل کی۔ آپ کے اساتذہ میں ابو سعید المبارک بن علی المخزومی ابوالقاسم علی بن احمد بن بنان الکرخی اور ابو زکریا یحیٰ بن علی التبریزی جیسے جلیل القدر محدث، فقیہ اور ماہرین ادب کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

حضرت شیخ تحصیل علم کے لیے بغداد کیا آئے کہ ہمیشہ کے لیے یہیں کے ہو رہے۔ سفرِ حج و زیارت کے علاوہ شاید ہی کہیں کا سفر فرمایا ہو۔ اپنی ساری عمر بغداد ہی میں بسر کی۔ ابتدا ہی سے اپنے استاد شیخ ابوالخیر حماد بن مسلم الدباسؒ کی خدمت میں رہے اور انتہا تک ان کا ساتھ نہ چھوڑا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ حماد ہی کے حکم پر حضرت شیخ نے قاضی ابوسعید المبارک المخزومیؒ سے خرقہ فقر حاصل کیا۔ اس طرح حضرت کا سلسلہ طریقت یہ ہوا:

قاضی ابوسعید المبارک بن المخزومیؒ عن الشیخ ابی الحسن علی بن محمد القرشیؒ عن ابی الفرح الطرطوسیؒ عن ابی الفضل عبدالواحد التمیمی عن ابی بکر شبلیؒ عن شیخ جنید بغدادیؒ عن شیخ سری

Marfat.com

سقطیؒ عن شیخ معروف کرخیؒ عن داؤد طائیؒ عن شیخ حبیب عجمیؒ عن حسن بصریؒ عن علیؓ ابن ابی طالب۔

تعلیم کے بعد تربیت کے بعض سخت مراحل سے گزرے۔ اس کے بعد مسند درس و تدریس کو زینت بخشی۔ پہلے اپنے استاد شیخ حمادؒ کے مدرسے میں پڑھاتے رہے۔ اس کے بعد خود اپنا مدرسہ قائم کر لیا۔ ہزاروں تشنگانِ علم نے اس چشمۂ فیض سے علم حاصل کیا اور اُن میں سے سینکڑوں زمانہ مابعد میں علم و عمل کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔

۵۱۲ھ سے ۵۶۱ھ تک ۴۹ سال مسلسل تعلیم، اِفتا، وعظ اور تلقین میں بسر کئے اور ماہ ربیع الثانی ۵۶۱ھ میں ۹۱ سال کی عمر میں واصل بحق ہو گئے۔ تاریخ وفات میں ربیع الثانی ۵۶۱ھ پر سب متفق ہیں البتہ اس میں اختلاف ہے کہ وفات ماہ ربیع الثانی کی کس تاریخ کو ہوئی۔ ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۳، ۱۷۔ یہ چھ تاریخیں مختلف تذکرہ نویسوں نے بیان کی ہیں۔

حضرت شیخ کا فقہی مسلک حنبلی تھا۔ وہ اسی فقہی مسلک پر فتویٰ صادر فرماتے تھے۔

حضرت شیخ عربی زبان کے سحر بیان خطیب اور بڑے فصیح اللسان شاعر بھی تھے۔ آپ کے متعدد قصائد زبان و بیان کے اعتبار سے اعلیٰ پایے کے ہیں۔

آپ کی متعدد تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱۔ غنیۃ الطالبین

۲۔ فتوح الغیب

۳۔ جلاء الخاطر

۴۔ الیواقیت والحکم

۵۔ الفتح الربانی

۶۔ الفیوضات الربانیہ

۷۔ حزب بشائر الخیرات

Marfat.com

۸۔المواھب الربانیہ

ان میں سے غنیۃ الطالبین کا فارسی ترجمہ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹیؒ المتوفی ۱۰۶۸ھ نے کیا تھا اور غالباً یہ پہلا ترجمہ تھا۔ یہ کتاب مصر، بغداد اور مکہ مکرمہ میں کئی بار طبع ہو چکی ہے۔ غنیۃ الطالبین اور فتوح الغیب کے اردو تراجم بھی شائع ہو چکے ہیں۔

جیلان میں ولادت ہوئی اور بغداد معلٰی مسکن و مدفن ہوا۔ اللہ اللہ بغداد کو شرف حاصل ہے۔

دیکھا تھا پیمبر نے جسے عرشِ بریں پر
جیلان میں اس ماہ کا جلوہ نظر آیا

از شرابِ غوثِ اعظم گلشن و گلزار مست
شاخ مست و برگ مست و میوہ مست و بار مست

ایک عربی شاعر نے آپ کی تاریخ ولادت اور مقدارِ عمر فصاحت سے ایک شعر میں بیان کر دی۔

اِنّ باز اللہ سلطان الرجال
جاء فی عشق و مات فی کمال

(بے شک اللہ تعالیٰ کا باز مردوں کا سلطان ہے۔ وہ عشق میں آیا اور کمال میں وفات پائی۔)

اس شعر میں لفظ عشق کے اعداد ۴۷۰ ہیں جو آپ کی تاریخ ولادت ہے اور لفظ کمال کے عدد ۹۱ ہیں جو عمر بنتی ہے۔ ''عشق'' کو ''کمال'' کے ساتھ ملانے سے ۵۶۱ اعداد بنتے ہیں جو آپ کا سال وصال ہے۔

(ماخوذ از مضمون سلیم اقبال گاہندری و تذکرہ ملوک شاہؒ از محمد حسن خان میرانی بہاولپوری)

❖

Marfat.com

منقبت

خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین حسن

چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

(از حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء، محبوبِ الٰہی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ)

خواجۂ من، مرشدِ من، دینِ من، ایمانِ من
من بقربانت شوم اے یوسفِ کنعانِ من
اے شہنشاہِ ولایت، خواجۂ ہندالولی
یک نگاہے، گاہے گاہے از طفیلِ پنج تن
من بدامانِ معینَ الدیں حسن دستے زدم
سیدِ من، خضرِ من، مہدیِ من، ملجائے من
فیضیابِ بارگاہِ خواجہ عثمانِ ولی
گفت محبوبِ الٰہی، خواجۂ پاک و پتن

Marfat.com

منقبت

خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین حسن

چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

(از حضرت شاہ نیاز بریلویؒ)

خواجۂ خواجگاں معین الدین
فخرِ کون و مکاں معین الدین
قربِ حق اے نیاز اگر خواہی
ساز وردِ زباں معین الدین

Marfat.com

خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

تذکرہ نگار حضرت خواجہؒ کا پورا اسم مبارک معین الدین حسن سجزی چشتی لکھتے ہیں۔ اصل نام معین الدین تھا۔ اُن کے والد بزرگوار سید غیاث الدین کے نام کے ساتھ 'حسن' بھی جزو تھا۔ اس لیے ان کے نام کا بھی جزو ہو گیا۔

تاریخِ فرشتہ میں ہے:

''تولدِ او در بلدۂ سجستان بود''

آپ سیستان یا سجستان میں پیدا ہوئے۔ اس لیے لفظ سنجری کے بجائے سجزی صحیح ہے۔ سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ حضرت خواجہؒ کی ولادت ۵۳۷ ھ اور وفات ۶ رجب ۶۳۳ ھ میں ہوئی۔

حضرت خواجہؒ کی نشوونما خراسان میں ہوئی۔ پندرہ سال کی عمر میں والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ترکے میں ایک باغ ملا، اس کی نگہبانی کرتے تھے۔ ایک روز ابراہیم قندوزی نامی ایک مجذوب باغ میں آئے تو خواجہ نے ان کی خدمت میں انگور کے خوشے پیش کیے۔ لیکن انھوں نے انگور کے خوشے نہیں کھائے اور گھلی کے ایک ٹکڑے کو دانتوں میں چبا کر خواجہ صاحب کے منہ میں دیا۔ گھلی کا کھانا تھا کہ حضرت کا دل انوارِ الٰہی سے

Marfat.com

روشن ہو گیا۔ علائقِ دنیا کو چھوڑ کر طلبِ خدا میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ بخارا اور سمرقند پہنچے جہاں قرآن مجید حفظ کیا اور علومِ ظاہری کی تعلیم میں مشغول ہو گئے۔

سمرقند سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے۔ قصبہ ہارون میں حضرت شیخ عثمان ہارونی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے شرفِ بیعت حاصل کیا۔ بیعت کے وقت مرشد نے مرید سے وضو کروایا۔ دو رکعت نماز پڑھوائی، پھر قبلہ رخ ہو کر سورۃ بقرہ پڑھنے کو کہا۔ اس کے بعد اکیس بار درود شریف پڑھوایا اور ساٹھ بار سبحان اللہ۔ آسمان کی طرف اپنا چہرۂ مبارک اٹھایا اور مرید کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

''ترا بخدا رسانیدم و مقبولِ حضرتِ او گردانیدم''

حضرت خواجہؒ ابو اسحٰق شامی قصبہ چشت کے رہنے والے تھے۔ اس لیے چشتی کہلائے اور ان کا سلسلہ بھی ''چشتی'' سے موسوم ہوا۔ ''چشت'' خراسان میں ہرات کے قریب واقع ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن کا سلسلۂ طریقت یہی سلسلۂ چشتیہ ہے۔

انیس الارواح اور سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ بیس سال تک اپنے پیر کی خدمت میں رہے۔ اور غلاموں کی طرح خدمت کی۔ سفر میں مرشد کا بستر اور دوسری ضروری چیزیں اپنے سر پر رکھ کر چلتے۔ مرشد کے ساتھ وہ سیوستان، دمشق، اوش، بدخشاں، بغداد، مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ بھی گئے۔ پیر و مرشد نے اُنکے حق میں خدا اور اس کے رسول کی بارگاہ میں دعائیں کیں اور مرشد نے گوشِ شنوا سے سنا:

''معین الدین دوستِ ما است۔ اورا قبول کردم و برگزیدم''

مدینہ منورہ ہی میں بارگاہِ رسالتؐ سے حضرت خواجہؒ کو ہندوستان جانے کی بشارت ملی۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی کو خواجہ صاحب سے بڑی شیفتگی اور محبت تھی۔ فرمایا کرتے:

''معین الدین محبوبِ خدا است و مرا فخر است بر مریدیِ او''

اور جب انھوں نے ان کو خرقہ عطا کیا تو ان کے سر پر چار ترکی بھی رکھی۔

Marfat.com

''انیس الارواح'' میں ہے کہ خرقے کے ساتھ عصا، نعلین چوبی اور مصلیٰ دیا اور فرمایا کہ ان تبرکات کو اسی طرح اپنے پاس رکھنا جس طرح ہم نے رکھا ہے۔ اور اُسی کو یہ یادگار دینا جس کو تم مرد پاؤ اور جو کچھ ہم نے تم کو بتایا اس پر عمل کرنا تا کہ قیامت کے دن شرمندگی نہ ہو۔

تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ نے اپنے مرشد سے ۵۲ سال کی عمر میں خرقۂ خلافت پایا۔ مرشد سے علیحدگی کے بعد حضرت خواجہ نے مختلف مقامات کی سیر کی۔ پہلے سنجان آئے۔ پھر جَیل پہنچے جہاں سے بغداد شریف وارد ہوئے۔ وہاں سے چل کر ہمدان تشریف لائے۔ پھر تبریز ہوتے ہوئے مہنہ آئے۔ پھر خرقان، استرآباد، ہری سبزوار، عصار اور بلخ ہوتے ہوئے غزنی پہنچے جہاں سے ہندوستان کی طرف رخ کیا' '' دلیل العارفین'' اور دوسرے تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اصفہان، کرمان اور بخارا کی بھی سیاحت کی۔

حضرت خواجہ کی یہ سیاحت راہِ سلوک کی کٹھن منزلیں طے کرنے کی خاطر ہوئی۔ اس لیے وہ وہیں پہنچے جہاں بحرِ معرفت کے غواص اور شناور موجود تھے۔ اُن کی صحبت میں رہ کر فیوض و برکات حاصل کرتے رہے۔ مثلاً سنجان پہنچے تو شیخ نجم الدین کبریٰ (المتوفی ۶۱۸ھ) کی خدمت میں ڈھائی برس تک قیام پذیر رہے۔ جَیل آئے تو حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی (المتوفی ۵۶۱ھ) کے یہاں ستاون روز رہ کر ہر قسم کے فیوض حاصل کئے۔ بغداد آئے تو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی (المتوفی ۶۳۲ھ) کے پیر شیخ ضیاء الدین کی صحبت سے مشرف ہوئے۔

راہِ سلوک کے تب و تاب برداشت کرنے کے بعد حضرت خواجہؒ میں اولیاء اللہ کی تمام باتیں پیدا ہو گئیں جن کے مظاہرے اس سیاحت کے دوران میں بھی ہوتے رہے۔

ورودِ ہند

Marfat.com

''سیر العارفین'' میں ہے کہ خواجہ غزنی سے لاہور، وہاں سے دہلی اور دہلی سے اجمیر آئے۔ ''مراۃ الاسرار'' میں ہے کہ حضرت خواجہؒ غزنی سے لاہور اور لاہور سے دہلی آئے جو اس وقت رائے پتھورا چوہان کا دارالسلطنت تھا۔ پھر آپ دہلی سے اجمیر تشریف لائے۔ لاہور میں آپ نے شیخ علی ہجویری کے مزار پر اعتکاف فرمایا۔ تذکروں میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہؒ ملتان بھی تشریف لائے۔

اجمیر

اجمیر میں رائے پتھورا کے مقربین نے خواجہ صاحب کے قیام میں بڑی مزاحمت کی اور جب انھوں نے حضرت خواجہؒ کے عظمت و کرامت کے مقابلے میں اپنے کو بے بس اور لاچار پایا تو ہندو جوگیوں کو حضرت خواجہؒ کو مغلوب کرنے کے لیے مامور کیا۔ ان میں تذکرہ نگار نمایاں طور پر جوگی ''جے پال'' کا ذکر کرتے ہیں جس سے حضرت خواجہؒ کے بڑے بڑے معرکے ہوئے۔ لیکن حضرت خواجہؒ اپنی روحانی قوت سے اس پر غالب رہے اور اس نے متاثر ہو کر حضرت خواجہؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، جنھوں نے اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا اور خلافت بھی مرحمت فرمائی۔

ازدواجی زندگی

اجمیر کے قیام کے زمانے میں دو شادیاں کیں جن میں ایک تو سید وجیہ الدین مشہدی (حاکمِ اجمیر) کی دخترِ نیک اختر عظمت اللہ بی بی تھیں اور دوسری کسی ہندو راجہ کی لڑکی بی بی اُمتہ اللہ تھیں جو مشرف بہ اسلام ہو گئی تھیں۔ حضرت خواجہؒ صاحب کی اولاد میں تین لڑکے حضرت سید فخر الدین، حضرت سید ضیاء الدین ابو سعید اور حضرت سید حسام الدین تھے۔ اور ایک دخترِ نیک اختر بی بی حافظہ جمال تھیں۔ حضرت خواجہؒ نے سید فخر الدین اور بی بی حافظ جمال کو خلافت بھی دی۔ بی بی حافظہ جمال عورتوں کو شرعی اور روحانی تعلیم دیا کرتی تھیں۔

Marfat.com

وصال

حضرت خواجہؒ کا وصال ۶ رجب ۶۳۳ھ میں ہوا۔ اجمیر میں انتالیس سال قیام رہا

محبتِ رسول

تمام عمر عشق الٰہی میں وارفتہ رہنے کے ساتھ ساتھ محبتِ رسول ﷺ کے نشے میں سرشار رہے۔ اپنے ملفوظات میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر بہت ہی والہانہ انداز میں فرماتے تھے۔ ایک جگہ ملفوظات میں فرمایا:

''افسوس ہے اس شخص پر جو قیامت کے دن آپؐ سے شرمندہ ہوگا۔ اُس کی جگہ کہاں ہوگی جو آپؐ سے شرمندہ ہوگا، وہ کہاں جائے گا۔''

رات کے وقت بہت کم سوتے اور بالعموم عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے تھے۔ طبیعت میں حلم وعفو کی درویشانہ صفات منتہائے کمال تک پہنچی ہوئی تھیں۔

مریدوں سے محبت

حضرت خواجہؒ کو اپنے خلفاء اور مریدین سے غیر معمولی محبت تھی۔ خانۂ کعبہ میں دعا کی تھی کہ قیامت تک خانوادۂ چشتیہ کا سلسلہ قائم رہے۔ چنانچہ یہ سلسلہ اب تک قائم ہے اور انشاء اللہ قائم رہے گا۔

مطبخ میں روزانہ اتنا کھانا پکتا تھا کہ تمام غرباء مساکین سیر ہو جاتے تھے۔ پڑوسیوں میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا تو جنازے کے ہمراہ ضرور تشریف لے جاتے اور دعائیں جو اس وقت کے لیے موزوں ہیں پڑھتے۔

لباس وغذا

خواجہ صاحب کے فقیرانہ لباس میں دوہرا بخیہ ہوتا تھا۔ اگر وہ پھٹ جاتا تو جس رنگ کا بھی کپڑا مل جاتا اسی کا پیوند لگا لیا کرتے تھے۔ کھانا بہت کم تناول فرماتے۔ سات سات

دن تک روزے رکھتے اور صرف پانچ مثقال کی ٹکیہ سے روزہ افطار کرتے۔
''سیر الاقطاب'' کے مؤلف کا بیان ہے کہ برابر صائم الدہر رہے۔ سماع سے بھی ذوق تھا اور محفل سماع میں ان پر غیر معمولی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

علوئے مرتبت

ہندوستان و پاکستان کے صوفیائے کرام میں خواجہ صاحب کا مرتبہ سب سے زیادہ بلند ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان کو قطب المشائخین کے لقب کی بشارت ملی۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے ان کو ملک المشائخ، سلطان السالکین، منہاج المتقین، قطب الاولیا، شمس الفقرا، ختم المہتدین کے لقب سے یاد کیا ہے۔

''سیر العارفین'' کے مصنف نے ان کو گوہرِ معدن، لولوئے لجہِ تصدیق، نیرِ انوارِ معرفت اور عرعرِ گلزارِ مشیخیت کہا ہے۔

''سیر الاقطاب'' کے مصنف نے قطب الاقطاب، حجۃ الاولیا، مہبطِ انوار، مخزن المعرفت والحقیقت اور صاحبِ سفینۃ الاولیا نے زبدۂ مشائخ اجل وقدوۂ اولیائے اکمل کہا ہے۔

شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ان کو ''سرِ حلقۂ مشائخِ کبار'' لکھا ہے۔

خواجہ صاحبؒ کے فیوض و برکات اور کرامات و خوارق عادات عام طور سے بہت مشہور ہیں اور آج بھی ان کی ابدی خواب گاہ کی زیارت کے لیے ہندو پاکستان و دنیائے اسلام کے ہر گوشے کے لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے۔

بادشاہوں کا خراجِ عقیدت

ہر دور میں ہندو پاک کے مسلمان فرمانرواؤں کو حضرت خواجہؒ کی ذات اقدس سے غیر معمولی عقیدت رہی۔ جب شہزادہ سلیم (جہانگیر بادشاہ) پیدا ہوا تو شہنشاہ اکبر خوشی میں آگرے سے اجمیر تک پا پیادہ گیا۔ راستے میں روپے اور اشرفیاں لٹاتا ہوا اجمیر شریف

Marfat.com

پہنچا اور وہاں شاہانہ طریقے پر خیرات تقسیم کرائی ۔ ایک مسجد اور خانقاہ کے لیے کئی عمارتیں بنوائیں ۔ شہزادہ مراد کی پیدائش پر بھی اکبر بادشاہ نے اجمیر شریف کی زیارت کی اور شہر کے گرد چونے اور پتھر کا حصار بنوایا ۔

۱۰۲۸ھ میں جہانگیر بادشاہ نے ایک لاکھ دس ہزار روپے صرف کر کے مزار مبارک کے گرد ایک طلائی مجر تیار کرایا تھا ۔ وہ اس متبرک اور خوشگوار مقام میں تین سال تک مقیم رہا ۔ اس نے اپنے آٹھویں سالِ جلوس میں درگاہ کو ایک دیگ دی جو آگرے میں بنائی گئی تھی ۔ پھر اجمیر جا کر اس میں کھانا پکوایا ۔ اور پانچ ہزار آدمیوں کو کھانا کھلوایا ۔ اب یہ چھوٹی دیگ کے نام سے مشہور ہے ۔ اس میں ۸۰ من چاول پک سکتے ہیں ۔

شاہ جہاں بادشاہ نے بھی حضرت خواجہؒ کے آستانے پر کئی بار حاضری دی ۔ روضے کے پاس سنگ مرمر کی مسجد اسی کی بنوائی ہوئی ہے ۔ مونس الارواح میں ہے کہ یہ مسجد دو لاکھ چالیس ہزار روپے میں تعمیر ہوئی ۔ اس کی لڑکی جہاں آرا بیگم کو بھی حضرت خواجہؒ سے والہانہ عقیدت تھی ۔ درگاہ کا بیگمی دالان اسی نے بنوایا ۔ اس کی چھت اور ستون سنگ مرمر کے ہیں ۔ اور فرش سنگِ افشاں ابری اور طلائی کا ہے ۔ اسی عقیدت کی بنا پر ایک کتاب مونس الارواح کے نام سے تحریر کی ۔ شاہ جہاں کے ساتھ اجمیر گئی تو اس سفر کے تاثرات کو اس طرح قلمبند کیا ہے :

''بخت کی یاوری اور طالع کی فیروزی سے یہ حقیرۂ فقیرہ والد بزرگوار کے ساتھ خطہ پاک حضرت اجمیر بے نظیر کی طرف ۱۸ شعبان ۱۰۵۳ھ کو روانہ ہوئی اور سات رمضان المبارک کو تال انا ساگر کی عمارتوں میں داخل ہوئی ۔ اس سفر میں ہر روز ہر منزل پر دو رکعت نماز نفل ادا کرتی ۔ ایک بار سورۃ یٰسین اور سورۃ فاتحہ اخلاص و عقیدت سے پڑھ کر خواجہ صاحبؒ پیر دستگیر خواجہ معین الحق والدین رضی اللہ عنہ کی روحِ پُرفتوح کو ایصالِ ثواب کیا ۔ چند روز عمارت مذکورہ میں ٹھہری ۔ لیکن غایت ادب میں پلنگ پر نہ سوئی اور نہ روضہ

Marfat.com

مبارک کی طرف پاؤں پھیلائے اور نہ اس کی طرف پشت کی ۔ دن کو درختوں کے نیچے رہتی ۔حضرت کی برکت اور اس سرزمینِ جنت آئین کے فیض سے اطمینان اور پھر ایک خاص ذوق پیدا ہوا ۔ ایک رات مولود اور چراغاں کیا ۔ روضے کی خدمت اور زینت میں جو کچھ مجھ سے ہو سکا میں نے اس کے کرنے میں کوتاہی نہیں کی اور نہ کروں گی ۔ الحمد للہ والمنۃ ، لاکھ لاکھ شکر ہے کہ روز پنج شنبہ ۱۴ رمضان المبارک کو خواجہ صاحبؒ پیر دستگیر رضی اللہ عنہ کے مرقدِ منور کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی ۔ دن کا ایک پہر باقی تھا کہ میں روضہِ اقدس میں گئی اور اپنے زرد چہرے پر اس آستانے کی خاک ملی ۔ دروازے سے گنبدِ مبارک تک برہنہ پا زمین چومتی گئی ۔ گنبد شریف میں داخل ہو کر اپنے پیر کی قبرِ پُر نور کے سات پھیرے کئے ۔ اپنی پلکوں سے جھاڑو دی ۔ اور مزار کی خوشبودار خاک کو توتیائے چشم بنایا ۔ اس وقت ایسی حالت اور کیفیت پیدا ہوئی کہ تحریر میں نہیں لائی جا سکتی ۔ غایت شوق اور سراسیمگی میں سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کہوں اور کیا کروں ۔ عطر اور معطرات کو معطر قبے پر اپنے ہاتھ سے ملا اور پھولوں کی چادر جو اپنے سر پر رکھ کر لائی تھی قبر مبارک پر چڑھائی ۔ اس کے بعد سنگ مرمر کی مسجد میں جو والدِ بزرگوار نے تعمیر کروائی ہے نماز ادا کی ۔ اور پھر گنبد مبارک میں بیٹھ کر سورۃ یٰسین اور سورۃ فاتحہ روحِ پُرفتوح کے لیے پڑھی ۔ مغرب کی نماز تک وہیں مقیم رہی ۔ شمع روشن کی ۔ جھالرے کے پانی سے افطار کیا ۔ عجیب شام تھی جو صبح سے بہتر تھی ۔ اگرچہ اس فانیہ کا اخلاص و محبت و عقیدت کا تقاضا یہ ہو رہا تھا کہ اس مقام متبرک سے نہ ہٹے لیکن کوئی چارہ نہ تھا ۔ اگر اختیار ہوتا تو ہمیشہ حضرت کے روضے کے پاس رہتی کیونکہ یہ عجیب گوشہِ عافیت ہے اور میں گوشہ عافیت کی عاشق ہوں ۔ مجبوراً چشم گریاں ، دل بریاں اور لاکھوں افسوس کے ساتھ درگاہ سے رخصت ہو کر گھر آئی ۔ تمام رات بے قراری میں گزری ۔ صبح کو جمعے کے روز والد بزرگوار نے اکبر آباد کی طرف کوچ فرمایا۔"

(از مونس الارواح قلمی نسخہ دارالمصنفین ۔ اعظم گڑھ ۔ انڈیا)

Marfat.com

اورنگزیب عالمگیر بھی کئی بار روضے کی زیارت کے لیے گیا اور اپنے مستقر سے روضے تک پیادہ پا جاتا تھا۔ ایک بار پانچ ہزار روپے بھی بطور نذر پیش کیے ۔

خلفاء

حضرت خواجہؒ کے بہت سے خلفاء تھے جن میں خواجہ بختیار کاکیؒ بہت نمایاں ہیں ۔ یہ بزرگانِ دین مختلف مقامات پر مامور تھے تاکہ وہ شمعِ اسلام روشن کر کے ہندوستان کے ظلمت کدے کو منور کر دیں ۔ انھی فقر و فاقہ والوں کے ذریعے ہندو پاک میں اسلام کی سچی عظمت اور شوکت قائم ہوئی ۔

آپ کی تاریخ وفات یہ ہے:

خواجۂ والا معین الدیں کہ از انوارِ او
گشت روشن در دو عالم ماہتابِ ملکِ ہند
محو شد در نورِ حق چوں آں مہ گردوں نشیں
شد ندا از چرخ چارم آفتابِ ملکِ ہند

۶۳۳ھ

(ماخوذ از ''بزمِ صوفیہ ۔ سید صباح الدین عبدالرحمن ایم اے ۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ ۔ انڈیا)

*

Marfat.com

منقبت

حریقِ عشق شیخ الاسلام

حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر

رحمۃ اللہ علیہ

*

(از مولانا الحاج کپتان واحد بخش سیال چشتی صابریؒ)

فرید الحق فرید الدین ولی اللہ شہنشاہ ہے
حبیب اللہ صفی اللہ خلیل اللہ نبی جاہ ہے
کرم کوش و کرم گستر، کرم پرور، سخی سرور
جہاں دارے، جہاں بانے، جہاں پرور شہنشاہ ہے
فنا فی اللہ، بقا باللہ، سمیع اللہ، بصیر اللہ
خدا بینے، خدا دانے، خدا جوئے، خدا خواہ ہے
شکر لبے، شکر دہنے، شکر سخنے، شکر کامے
شکر نامے، شکر ریزے، شکر بیزے، شکر گاہ ہے
شکر خیزے، شکر دانے، شکر کانے، شکر کوہ ہے
شکر گوئے، شکر جوئے، شکر خوارے، شکر خواہ ہے

*

حضرت خواجہ بابا فریدالدین مسعود گنج شکر

رحمۃ اللہ علیہ

وجہ تسمیہ گنج شکر

اسمِ گرامی مسعود، لقب فریدالدین تھا۔ مگر عام طور سے بابا گنج شکر کے لقب سے مشہور تھے۔ گنج شکر کی وجہ تسمیہ مختلف بتائی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے:

سیر الاقطاب کے مصنف کا بیان ہے کہ ایک بار خواجہ فریدالدین نے متواتر روزے رکھے۔ ایک دن افطار میں کوئی چیز کھانے کو نہ ملی۔ حالتِ گرسنگی میں رات کو سنگریزے منہ میں رکھ لیے۔ یہ سنگریزے شکر ہو گئے۔ جب یہ خبر آپ کے مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کاکی کو پہنچی تو فرمایا فریدِ گنجِ شکر ہے۔

مولد

حضرت شیخ فریدالدین کی ولادت باسعادت قصبہ کھوتوال ضلع ملتان میں ہوئی۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ وہ ۵۶۹ھ میں پیدا ہوئے اور پچانوے سال کی عمر میں وفات پائی۔

Marfat.com

تاریخ وفات ۵ محرم روز سہ شنبہ ۶۶۴ھ ہے۔

حضرت بابا صاحب حضرت عمر فاروقؓ کی اولاد سے تھے اور سیر الاولیاء کے مؤلف کا بیان ہے کہ بابا صاحب کا آبائی تعلق شاہِ کابل فرخ شاہ عادل کے خاندان سے تھا۔ قصبہ کھوتوال میں شیخ جمال الدین نے ملا وجیہ الدین کی دختر نیک اختر قرسم خاتون سے شادی کی جن سے تین فرزند ہوئے:

۱۔ اعز الدین محمود ۲۔ فرید الدین مسعود ۳۔ نجیب الدین متوکل

ابتدائی تعلیم

حضرت شیخ فرید الدینؒ نے ابتدائی تعلیم کھوتوال میں ہی اپنی والدہ کی نگرانی میں پائی جو بہت ہی صالحہ، پارسا اور کاملہ تھیں۔ مزید تعلیم کے لیے ملتان پہنچے۔ ''خیر المجالس'' میں ہے کہ انھوں نے ملتان میں سرائے حلوائی کے پاس ایک مسجد میں قیام کیا۔ ''سیر العارفین'' کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسی مسجد میں مولانا منہاج الدین ترمذی سے فقہ کی کتاب نافع پڑھی اور کلام پاک بھی حفظ کیا۔ اسی مسجد میں حضرت شیخ فرید ایک روز ''نافع'' کا مطالعہ کر رہے تھے کہ وہاں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی تشریف لائے۔ شیخ فرید کو پڑھتے دیکھ کر پوچھا کون سی کتاب ہے؟ شیخ فرید نے جواب دیا ''نافع''۔ تو حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے فرمایا ''نافع سے نفع ہوگا''۔ یہ سن کر حضرت شیخ فرید حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے قدموں میں گر پڑے اور کہا:

''نفع من از کیمیاء سعادتِ بخشِ شما نہادہ اند۔''

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے خلیفہ اعظم تھے۔ ملتان سے دہلی تشریف لائے تو حضرت شیخ فرید دہلی جا کر ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔

Marfat.com

سیاحت

حضرت شیخ فریدالدینؒ کے ملفوظات میں ہے کہ وہ غزنی، بغداد، بخارا، سیوستان اور بدخشاں تشریف لے گئے اور علوم ظاہری و باطنی حاصل کرتے رہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے بغداد میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی زیارت کی اور اُن سے کئی روز تک فیضِ صحبت حاصل کرتا رہا۔ ''راحت القلوب'' سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت بابا گنج شکر بیت المقدس میں بھی کچھ دنوں رہے۔

خلافت

حضرت شیخ فریدالدین ایک مدت کی سیاحت کے بعد دہلی میں اپنے مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مرشد نے خلافت کی نعمت سے نوازا اور دادا مرشد حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے بھی انکے لیے دعا کی۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے ان کو خلعت عطا فرمائی اور حضرت بختیار کاکیؒ نے اپنی خلافت کی دستار ان کے سر پر باندھی۔ مرشد نے حضرت باباؒ کو نصیحت کی کہ اہل سلوک کے لیے ضروری ہے کہ وہ کم سوئے، کم بولے، کم کھائے اور لوگوں سے کم ملے۔

قیام ہانسی و اجودھن

مرشد کی صحبت میں پوری تعلیم پا چکے تو حضرت گنج شکرؒ مرشد کے حکم سے دہلی سے ہانسی آئے۔ ہانسی قیام کے دوران میں مرشد کا وصال ہو گیا۔ ہانسی سے پریشان ہو کر روانہ ہوئے تو وصال کے تیسرے روز دہلی پہنچے۔ مزار مبارک کی زیارت فرما چکے تو قاضی حمیدالدین ناگوریؒ نے حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کا خرقہ اور دوسری امانتیں حضرت گنج شکرؒ کو دیں۔ دہلی سے ہانسی واپس آئے لیکن یہاں لوگوں کا ہجوم بڑھا تو اجودھن کی طرف بڑھ گئے اور یہیں مستقل قیام فرمایا۔ اور اب حضرت کی برکت سے اجودھن پاک پٹن کے

Marfat.com

متبرک نام سے موسوم ہے۔

ریاضت

حضرت گنج شکرؒ نے راہ سلوک میں بڑی محنت کی۔ ایک کنویں میں چلہ معکوس کیا۔ فجر کی نماز کے بعد دیر تک مسجد میں پڑے رہتے۔ ایک بار عالم تفکر میں کھڑے رہے، مطمئن نہ بیٹھے۔ ان کے پاؤں سوج گئے اور ان سے خون بہتا تھا۔ ہمیشہ روزہ رکھتے۔ نماز تراویح میں ہر رات دو کلام پاک ختم فرماتے۔ خواجہ نظام الدین اولیاء بھی ان کے ساتھ تراویح میں شریک رہتے تھے۔ خشیتِ الٰہی کا بڑا غلبہ رہتا تھا۔

فقر و فاقہ

تمام زندگی فقیرانہ عسرت اور درویشانہ استغنا کے ساتھ گزاری۔ لنگر خانے کی طرف سے طرح طرح کے کھانے دسترخوان پر چنے جاتے تو مہمان کھاتے خود تناول نہ فرماتے۔ زیادہ تر جو کی روٹی پسند فرماتے۔ اکثر ڈیلہ پکا کرتا تھا۔ ایک روز گھر میں نمک نہ تھا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے مرشد کی خاطر ایک درم کا نمک بقال سے ادھار لیا اور ڈیلہ پکا کر مرشد کے پاس لے گئے۔ حضرت گنج شکرؒ نے کھانے کے لیے پیالے میں ہاتھ ڈالا تو ہاتھ میں گرانی محسوس ہوئی اور لقمہ اٹھا نہ سکے۔ فرمایا: ''ازیں بوئے اسراف می آید'' اور پوچھا کہ نمک کہاں سے لا کر ڈالا گیا ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے لرزہ بر اندام ہو کر عرض کیا کہ قرض کا ہے۔ حضرت گنج شکرؒ نے فرمایا کہ ''درویشوں کو فاقے سے موت آ جائے تو اس سے بہتر ہے کہ لذتِ نفسانی کے لیے وہ مقروض ہوں۔''

استغناء

سلطان ناصر الدین محمود اجودھن میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کی ملاقات سے ایسا متاثر ہوا کہ اپنے وزیر الغ خان کو (جو بعد میں غیاث الدین بلبن) کے نام سے

بادشاہ ہوا چار گاؤں کا فرمان اور ایک کثیر رقم بطور ہدیہ دے کر بھیجا مگر انھوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ یہ اُن کو دو جن کو ضرورت ہو۔ ہمارے خواجگان کی یہ رسم نہیں۔ اور اگر کبھی کسی سے کچھ قبول کر لیتے تو راہِ خدا میں تقسیم کر دیتے۔

نرمی و ملاطفت

طبیعت میں بے حد نرمی تھی۔ ایک بار ایک قلندر آیا اس نے بابا صاحب سے سخت لہجے میں کہا کہ تم نے اپنے کو بت بنا لیا ہے تا کہ لوگ تمھاری پرستش کریں۔ بابا صاحب نے فرمایا کہ میں نے اپنے کو نہیں بنایا ہے، خدا نے مجھے بنایا ہے۔ بنانے والا خدا ہے جو اپنے بندوں کو نوازتا ہے۔ قلندر نے یہ سنا تو کہا کہ:

''آفریں بر تحملِ شما باد''

تواضع و انکسار

حاجت مندوں کے لیے اُن کا دروازہ آدھی رات تک کھلا رہتا۔ ایک بار خانقاہ میں کچھ درویش آئے۔ گھر میں جوار کے سوا کچھ نہ تھا۔ خود ہی جوار پیسا اور اس کی روٹیاں پکا کر درویشوں کے پاس لائے۔

ازدواجی زندگی

بابا صاحبؒ نے تین شادیاں کیں۔ سیر الاولیاء میں بابا صاحب کے لڑکوں اور لڑکیوں کے حسب ذیل نام دیے ہوئے ہیں۔

۱۔ خواجہ نصیر الدین نصر اللہ۔ ۲۔ خواجہ شہاب الدین۔
۳۔ شیخ بدر الدین سلیمان۔ ۴۔ شیخ نظام الدین۔ ۵۔ شیخ یعقوب
۶۔ بی بی مستورہ۔ ۷۔ بی بی شریفہ۔ ۸۔ بی بی فاطمہ۔

Marfat.com

وصال

تاریخ وفات ۵ محرم روز سہ شنبہ ۶۶۴ ھ ہے۔ پانچویں محرم کی رات کو بابا صاحب پر مرض کا غلبہ ہوا۔ عشا کی نماز جماعت سے پڑھی اور بے ہوش ہو گئے۔ ایک گھنٹے کے بعد ہوش میں آئے تو فرمایا کہ میں نے عشا کی نماز پڑھ لی ہے؟ حاضرین نے عرض کیا ''حضرت ہاں''۔ لیکن پھر فرمایا، ایک بار اور پڑھ لوں، پھر کون جانے کیا ہو۔ پھر تیسری مرتبہ پڑھی اور فرمایا ''یا حی یا قیوم'' اور جاں بحق تسلیم کر لی۔ تکفین کے وقت گھر میں بڑی بے سروسامانی تھی۔ کفن کے اوپر چادر ڈالنے کے لیے نہ تھی تو سیر الاولیاء کے مصنف کی دادی نے اپنی سفید چادر نذر کی۔

مزار اقدس اجودھن میں ہے جو اب تک زیارت گاہِ خاص و عام ہے۔ شہنشاہ اکبر کو حضرت بابا صاحب کے مزار سے بڑی عقیدت تھی اس لیے اس نے اجودھن کا نام پاکپٹن رکھا۔

تذکرہ نگاروں نے حضرت بابا گنج شکرؒ کو زبدۂ اتقیائی ابرار، شیرِ بیشۂ تقدیسِ ربانی، محرم اسرار مشیتِ ایزدی، ہمدم نوازِ قربت صمدی وغیرہ کے القاب سے یاد کیا ہے۔

خلفاء

ءءسیر الاقطاب'' میں جن خلفاء کے نام دیے ہوئے ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

۱۔ شیخ علاؤالدین علی احمد صابر کلیریؒ ۔۲۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ ۔۳۔ شیخ جمال الدین ہانسویؒ ۴۔ شیخ زین الدین دمشقیؒ ۔۵۔ شیخ بدرالدین اسحٰقؒ ۔۶۔ شیخ علی شکر ریزؒ ۔ شیخ محمد سراجؒ ۔ شیخ عارف سیوستانیؒ ۔۹۔ مولانا داؤد پائلی۔

ان خلفاء سے تین سلسلے جاری ہوئے۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء سے نظامیہ، حضرت شیخ علاؤالدین سے صابریہ اور شیخ جمال الدین سے جمالیہ۔ لیکن کچھ دنوں بعد جمالیہ سلسلہ نظامیہ میں مدغم ہو گیا۔ تذکرہ نویس یہ بھی لکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنے داماد

Marfat.com

مولانا بدرالدین اسحٰقؒ ، صاحبزادوں میں شیخ یعقوبؒ ، شیخ نظام الدینؒ ، شیخ بدرالدین سلیمانؒ ، اور شیخ شہاب الدین اور اپنے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کو بھی خلافت عطا کی ۔

تواریخ وفات

زاہد دین پیر عالمگیر

۶۶۴ھ

عالی جاہ قطب الدین فرید

۶۶۴ھ

حبیب حق فریدالدہر

۶۶۴ھ

ماخوذ از ''بزمِ صوفیہ'' / سید صباح الدین ۔ عبدالرحمٰن ایم اے ۔ دارالمصنفین اعظم گڑھ (انڈیا)

☆☆

منقبت

مخدوم پاک حضرت سید علاؤالدین علی احمد صابر کلیریؒ

*

(از الحاج مولانا کپتان واحد بخش سیال چشتی صابریؒ)

محبوب رب العلمین مخدوم صابر کلیری
معشوق جملہ عاشقاں مخدوم صابر کلیری
محبوب جملہ چشتیاں مخدوم صابر کلیری
مقصود جملہ اولیاء مخدوم صابر کلیری
مطلوب جملہ طالباں مخدوم صابر کلیری
مقبول جملہ عارفاں مخدوم صابر کلیری
حامد و محمود حق مخدوم صابر کلیری
صابر و شاکر سخی مخدوم صابر کلیری
مولائے ما آقائے ما مخدوم صابر کلیری
شاہدِ رعنائے ما مخدوم صابر کلیری

*

Marfat.com

بادشاہِ دو جہاں
حضرت خواجہ سید علاؤالدین علی احمد صابر کلیری
قدس سرہٗ

✷

آپ حضرت خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکر کے خلیفہِ اعظم تھے۔ اولیائے معرفت کے امام تھے۔ پیرِ طریقت تھے۔ واقفِ حقیقت تھے۔ عارفِ کامل، زاہدِ مکمل تھے۔ صاحب کرامت اور والیِ نعمت تھے۔ بلند رتبہ اور اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ خرقہِ خلافت خواجہِ شکر بار، شکر عالم بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ سے پایا۔ خلافت کے علاوہ آپ کو حضرت بابا فرید سے نسبت دامادی، خواہرزادگی بھی تھی۔ حضرت بابا فریدؒ فرمایا کرتے تھے:

''میرے باطنی اور ظاہری علوم تو نظام الدینؒ کو ملے مگر میرے پیروں کے ظاہری اور باطنی علوم کے سمندر علاؤالدینؒ کے حصے میں آئے۔ میرے سینے کے تمام علوم خواجہ نظام الدین بدایونی نے حاصل کیے مگر میرے دل کے تمام علوم و اسرار علاؤالدین صابر نے لیے۔

Marfat.com

سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ بارہ سال تک شیخ علاؤالدین نے حضرت خواجہ فرید گنج شکرؒ کے لشکر اور درویشوں کے طعام کی خدمات سرانجام دیں۔ لیکن چونکہ آپ کو کھانا کھانے کا حکم نہیں دیا گیا تھا اس لیے بارہ سال تک دربار اور لنگر سے کھانا نہیں کھایا اور جنگل کی جڑی بوٹیوں سے پیٹ پالتے رہے۔ بارہ سال بعد حضرت خواجہ فریدؒ نے وجہ پوچھی تو آپ نے عرض کی کہ آپ نے لنگر کی تیاری اور اہتمام کا حکم دیا تھا کھانے کی اجازت تو نہ دی تھی۔ آپ کی اجازت کے بغیر میری کیا مجال تھی کہ مطبخ سے ایک دانہ بھی کھاتا۔ حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ نے آپ کے اس صبر کی وجہ سے آپ کو صابر کا خطاب دیا۔ خرقہ خلافت عنایت فرمایا۔ دہلی کی روحانی نگرانی سپرد کی۔ حکم دیا پاک پتن سے پہلے ہانسی جانا۔ شیخ جمال الدین قطب ہانسوی قدس سرہٗ سے اپنے خلافت نامہ پر مہر نصب کرانا۔ پھر دہلی جانا۔

آپ ہانسی کی طرف روانہ ہوئے، ہانسی پہنچے۔ بہیلی پر سوار ہی حضرت جمال الدین قطب ہانسوی کی خانقاہ کے اندر جا پہنچے۔ شیخ جمال الدین استقبال کے لیے دروازے پر آئے مگر حضرت صابرؒ بہیلی سے نیچے نہ اترے اور سواری پر ہی اندرون خانقاہ چلے گئے۔ حضرت جمال ہانسویؒ کو یہ ادا پسند نہ آئی۔ مجبوراً تعظیم تو کی مگر آداب درویشی کے خلاف عمل کو دل میں برا منایا۔ احتراماً مجلس کی مسندِ صدارت پر بٹھایا۔ دونوں نے مل کر نماز مغرب ادا کی۔ نماز کے بعد حضرت صابرؒ نے سند خلافت پیش کی اور مہر نصب کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے دہلی کی روانگی کا ارادہ کرلیا۔ چونکہ اس وقت اندھیرا تھا چراغ موجود نہ تھا حضرت جمال ہانسویؒ نے مہر نصب کرنے میں تامل و تردد کیا۔ چراغ لایا گیا۔ سند خلافت پیش کی گئی مگر اتفاقاً ہوا کا ایک جھونکا آیا۔ چراغ بجھ گیا۔ حضرت صابرؒ نے چراغ پر ایک پھونک ماری تو چراغ دوبارہ جل اٹھا۔ خواجہ جمال نے یہ صورت دیکھی تو سند خلافت کو حضرت صابرؒ کے ہاتھ سے لے کر پھاڑ دیا اور فرمایا:

Marfat.com

"دہلی کو آپ کے دمِ آتشیں کی تاب نہیں ۔ اگر آپ اسی طرح چلے گئے تو شہر جل جائے گا۔"

حضرت جمالؒ کی اس بات پر حضرت صابر برافروختہ ہوئے اور جوش میں آ کر فرمایا: آپ نے میری سند خلافت پھاڑی ہے، میں نے آپ کے سلسلہ طریقت کو پھاڑ دیا ہے۔ آپ نے پوچھا اول سے یا آخر سے۔ فرمایا اول سے۔

اُسی وقت غصے سے اٹھے ۔ واپس پاک پتن روانہ ہو گئے اور خواجہ فریدؒ کی خدمت میں جا پہنچے اور تمام واقعہ سنا دیا۔ حضرت خواجہ فرید نے فرمایا: صابر جمال الدین کی پھاڑی ہوئی سند خلافت کو دوبارہ نہیں جوڑا جا سکتا۔ پھر پوچھا جب جمال نے تمھاری سند خلافت پھاڑی تھی تو تم نے کیا کہا تھا۔ بتایا کہ میں نے کہا تھا کہ آپ نے میری سند خلافت پھاڑ دی ہے میں نے تمھارا سلسلہ پھاڑ دیا ہے۔ اُنھوں نے پوچھا اول سے یا آخر سے۔ میں نے کہا اول سے۔ حضرت خواجہ فریدؒ نے یہ بات سن کر فرمایا کہ اللہ کے پہلوانوں کا تیر خطا نہیں جاتا۔ لیکن خیر گزری کہ تم نے اول کہہ دیا۔ آخر سلامت رہا۔ انشاء اللہ تمھارے مریدوں میں سے ایک مرید ہوگا جس کی دعا سے یہ سلسلہ جاری ہوگا۔ (یہ شیخ جلال الدین پانی پتی کی ذات کی طرف اشارہ تھا) حضرت صابرؒ نے جس طرح کہا تھا ایسا ہی ہوا۔

حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر نے حضرت صابرؒ کو کلیر شریف کی روحانی مملکت عطا فرما دی اور سند خلافت اپنے قلم سے از سر نو تحریر کر کے حوالے کی اور تازہ خرقہ خلافت عطا کیا اور سیدھا کلیر پہنچنے کا حکم دیا۔ آپ وہاں پہنچے تو اس خطے کو نورِ روحانیت سے منور کر دیا اور وہیں قیام پذیر ہو گئے۔

صاحب معارج الولایت نے لکھا ہے کہ حضرت صابر سرکارؒ ولایتِ موسوی پر تھے اور آپ کے جلال کا یہ عالم تھا کہ جہاں نظر اٹھاتے مدمقابل دم بخود ہو جاتا۔

کلیر شریف میں قیام کے دوران آپ سے بہت سی کرامات کا صدور ہوا اور یہیں

Marfat.com

وفات پائی ۔ آج یہ شہر پیرانِ کلیرؒ کے نام سے مشہور ہے اور سہارنپور کے قریب اور رڑکی کے نزدیک واقع ہے ۔ آپ کے بعد حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی آپ کے خلیفہ ہوئے ۔

حضرت سید علاؤالدین علی احمد صابر کلیریؒ کا وصال بقول صاحبِ معارج الولایت تیرہ ماہ ربیع الاول ۶۹۰ ھ کو ہوا ۔

قطعہ تاریخِ وفات یہ ہے :

شد چو از دنیا علاؤالدین علی احمد بخلد
سالِ وصلِ آں شہِ والا قدر اہل کمال
گو علی احمد علاؤالدین صابر ایزدی

۶۹۰ ھ

ہم علاؤالدین صابر صادق آمد ارتحال

۶۹۰ ھ

(ماخوذ از خزینۃ الاصفیاء/مفتی غلام سرور لاہوری)

قلندر

قلندر پرتوِ نورِ الٰہی است
قلندر مطلعِ انوارِ شاہی است
قلندر را مقام کبریائی است
قلندر دُرِ بحرِ آشنائی است
قلندر موجِ بحرِ لایزالی است
قلندر نورِ شمعِ ذوالجلالی است
قلندر قطرۂ دریائے عشق است
قلندر ذرۂ صحرائے عشق است

قلندر ہست دریائے معانی

قلندر ہست مردِ لامکانی

قلندر ہر زماں اندر شہود است

قلندر ہر زماں درہست وبود است

قلندر ہر زمانے غرقِ نور است

قلندر دائما اندر ظہور است

قلندر گہ حبیب اللہ باشد

قلندر گہ خلیل اللہ باشد

حضرت مولانا احمد جام

******

Marfat.com

شیخ المشائخ حضرت باباشاہ محمد سلیمان شاہ قلندرؒ

چشتی، صابری، قادری، بدری، فریدی، قدس سرہ العزیز

(از طارق علی احمد ابن شاہ محمد سلیمان شاہ چشتی صابریؒ)

✻

علامہ اقبال کا مشہور شعر ہے:

اے طائرِ لاہوتی اُس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

میرے والد حضرت شاہ سلیمانؒ کی زندگی اقبال کے اس شعر کی عملی تصویر تھی۔ انھوں نے بڑی صاف ستھری اور آلائشوں سے پاک صاف زندگی گزاری۔ لباسِ فاخرہ نہیں پہنتے تھے۔ سادہ سی قمیص اور عام سا تہ بند استعمال فرماتے یا کبھی کبھار شلوار قمیص بھی پہنتے۔ نماز کھجور کی چٹائی پر پڑھتے۔ قالین یا مخمل کا مصلیٰ کبھی استعمال نہیں فرمایا۔ زمین پر بچھی چٹائی پر لیٹ جاتے اور اکثر اس پر نماز پڑھتے یا پھر بان کی چارپائی پر بیٹھتے اور سوتے۔ بڑے بھائی صاحب نے سونے کے لیے نوم کا بیڈ لا کر دیا لیکن انھوں نے یہ کہہ کر اٹھوا دیا کہ میرے لیے بان کی چارپائی کافی ہے۔

میں نے انھیں رات کو بہت کم سوتے دیکھا۔ تقریباً پوری رات جاگتے رہتے اور یادِ خدا میں مصروف رہتے۔ ہم سردیوں کی راتوں میں ان کے بستر کے قریب ہیٹر لگا دیا

Marfat.com

کرتے تا کہ انھیں کچھ راحت ہو۔ سوئی گیس کا ہیٹر تو بہت بعد کی بات ہے۔ میری والدہ کھانا پکانے کے بعد بچی ہوئی آگ جو راکھ اور کوئلوں کی شکل میں ہوتی ایک ہنڈیا میں ڈال کر ان کے بستر کے قریب رکھ دیا کرتیں۔ ان کے ہم منصب ساتھیوں کا بیان ہے کہ وہ رات کو ٹرین میں ڈیوٹی دینے کے بعد کسی خالی ڈبے میں جا بیٹھتے اور بقیہ تمام رات عبادت میں گزار دیتے۔

حضرت شاہ سلیمان نے سرکاری ملازمت کے دوران میں تنخواہ کے علاوہ کبھی کسی سے ناجائز پیسے نہیں لیے۔ اُن کے ہم کار ساتھیوں کے گھروں میں ناجائز آمدنی کی ریل پیل تھی۔ طرح طرح کی چیزیں بطور رشوت ان کے گھروں میں آتیں لیکن ہمارے گھر میں کبھی رشوت کا پیسہ یا کوئی چیز نہیں آئی۔ اُنھوں نے ساری عمر کرائے کے مکانوں میں گزار دی۔ کوئی ذاتی مکان نہیں بنایا۔ پاکستان بننے کے بعد لوگوں نے مکانوں پر ناجائز قبضے کیے، جھوٹے کلیم جمع کروائے اور لاکھوں کی جائیدادیں بنائیں لیکن والد صاحب نے ایسا کوئی کام نہیں کیا۔ نہ تو جھوٹا کلیم داخل کروایا اور نہ ہی کسی مکان پر قبضہ کیا۔ ملتان میں ہم جس کرائے کے مکان میں رہے وہ دو کچے کمروں پر مشتمل تھا جس میں بجلی بھی نہیں تھی۔ اُنھوں نے جائز آمدنی سے ہم بھائی بہنوں کو معیاری تعلیم دلوائی اور سب کی شادیاں بھی کیں۔ میں نے انھیں کبھی قرض لیتے نہیں دیکھا اور نہ ہی کسی سے نذرانہ لیا۔ ہاں جہاں تک ممکن ہوتا وہ اپنی محدود آمدنی میں سب کی خدمت کرتے۔ ہمارے گھر میں کثرت سے عزیز و اقارب آتے اور کئی کئی دن قیام کرتے۔ میری والدہ ان کے کھانے پینے کا معقول انتظام کرتیں اور کبھی ماتھے پر بل نہ لاتیں۔ مجھے یاد ہے کہ اُن کے ایک دوست کی اہلیہ بیمار ہو کر اپنے میکے چلی گئیں۔ والد صاحب نے اُنھیں کہا کہ جب تک آپ کی اہلیہ تندرست ہو کر واپس نہیں آتیں آپ ہمارے گھر میں کھانا کھائیے۔ چنانچہ میری والدہ مسلسل چھ ماہ تک اُن کے کھانے پینے کا اہتمام کرتی رہیں۔ ایک بار والدہ نے

مجھے اُن کے لیے کھانا لگانے کو کہا۔ میں نے پانی کا گلاس اچھی طرح نہ دھویا۔ جس پر والدہ نے مجھے ڈانٹ پلائی اور خود دوبارہ گلاس مانجھ کر اُن کے سامنے رکھا۔ اسی طرح والد صاحب کے مرشد زادے جناب سلیم چشتی لاہور سے ملتان ٹرانسفر ہو کر آئے تو ہمارے ہاں پانچ ماہ قیام پذیر رہے۔ اس دوران میرے والد نے نہ صرف اُن کی اصلاح کی بلکہ روحانی تربیت بھی فرمائی۔ اور ان پانچ مہینوں میں والدہ صاحبہ نے سلیم چشتی صاحب کے کھانے پینے کا بہت خیال رکھا۔ (واضح ہو کہ سلیم صاحب کچھ عرصہ پہلے انتقال فرما گئے اور اپنے عظیم والد حضرت شاہ محمد حسین فردِ عالمؒ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ حضرت شاہ محمد حسین چشتی صابریؒ اور اُن کے صاحبزادے جناب سلیم چشتیؒ کے مزارات عالیہ انجینیرنگ یونیورسٹی لاہور کے بالمقابل جی ٹی روڈ کے کنارے واقع ہیں۔ ان دونوں بزرگوں کا سالانہ عرس بھی ہوتا ہے۔) والد صاحب کے ایک رشتے کے بھائی (cousin) ۱۹ کسی ملتان کے قریب ایک گاؤں میں رہتے تھے ۔ وہ نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے شہر آتے اور ہمارے گھر قیام کرتے۔ والد صاحب اُن کی دلداری کرتے۔ والدہ اُن کے لیے دوپہر کے کھانے کا بہت اچھا انتظام کرتیں۔ جب تک ہم ملتان میں رہے تایا عیسیٰ باقاعدگی سے ہر جمعے کو ہمارے گھر تشریف لاتے رہے اور یہ سلسلہ کئی سال جاری رہا۔

میرے والد نے ہمارے ساتھ کبھی لاڈ پیار نہیں کیا۔ لیکن اُن کے ہر عمل میں ہمارے لیے بھلائی اور بہتری کا جذبہ کارفرما ہوتا۔ اُن کا رعب داب ہمیشہ قائم رہا۔ ہمارے پورے قبیلے میں ہمارا خاندان سب سے زیادہ پڑھا لکھا اور باعزت ہے۔ اس کی بنیادی وجہ میرے والد کی باوقار شخصیت اور اُن کا دیندارانہ طرزِ عمل ہے۔

میں نے زندگی میں اور بعد از وفات اُن کی کئی کرامتیں دیکھی ہیں۔ اُن کے عقیدت مندوں سے اُن کی بہت سی کرامتوں کا ذکر سنا ہے۔ لیکن میرے خیال میں اُن کی سب سے بڑی کرامت اُن کا صاف ستھرا کردار ہے۔ انھوں نے برائی سے کبھی سمجھوتہ نہیں

Marfat.com

کیا۔ان کے کردار کی یہ استقامت ان کی کرامت سے برتر ہے۔فرمایا کرتے:

''اگر میں چاہوں تو میرے گرد ایک شہر آباد ہو جائے لیکن یہ معیارِ ولایت نہیں۔''

اُن کا طرزِ عمل پیشہ ور پیروں سے قطعی مختلف تھا۔وہ نذرانہ نہیں لیتے تھے۔فرماتے تھے کہ پیر اگر دس روپے نذرانہ لے تو اُس کے لیے لازم ہے کہ وہ تیس روپے مریدوں اور خلقِ خدا کی فلاح و بہبود پر خرچ کرے۔بصورت دیگر اُس کے لیے نذرانہ لینا روا نہیں۔وہ کھرے درویش تھے اور ان کے اس معیار پر پورا اترنا آج کل کے مولویوں اور پیروں کے بس کی بات نہیں۔فرماتے تھے کہ جو شخص لین دین میں کھوٹا ہے چاہے وہ لمبی لمبی نمازیں پڑھے۔داڑھی رکھے، اور جبہ و دستار اوڑھے قطعاً لائقِ اعتنا نہیں۔اور ایسے شخص کا صوفیانہ مسلک سے کوئی تعلق نہیں۔

میرے والد ''پاک رہ بے باک رہ'' کے اصول پر زندگی بھر قائم رہے۔نہ کسی سے ڈرتے اور نہ دبے۔سچی اور کھری بات منہ پر کہہ دیتے۔۱۹۴۶ء میں صوبہ بہار میں مسلم کش فسادات پھوٹ پڑے۔ہندوؤں نے مسلمانوں کا قتلِ عام کیا۔دیوبند کا کانگریس کے ساتھ اتحاد تھا۔دیوبند کے مولوی کانگریس کے باقاعدہ وظیفہ خوار تھے۔انھوں نے بہار کے مظلوم مسلمانوں کے حق میں کوئی بات نہ کی۔والد صاحب فرماتے تھے کہ ایسے میں میری ملاقات دیوبند کے مولوی حسین احمد مدنی سے ہوئی۔میں نے مولوی صاحب کی توجہ بہاری مسلمانوں کے قتل عام کی طرف دلوائی اور کہا ''بہاری مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے اور تم نے منہ میں گھنگنیاں ڈالی ہوئی ہیں۔دیوبند کا یہ کردار شرمناک ہے۔''

فرماتے تھے کہ مولوی حسین احمد مدنی سے کوئی جواب نہ بن پڑا اور شرم سے گردن جھکا لی۔

میرے والد صاحبؒ ریاست بہاولپور کی فوج میں ملازم رہ چکے تھے۔اس طرح وہ فوجی ٹریننگ سے پوری طرح آگاہ تھے۔اُنھوں نے اپنے صاحب گنج (صوبہ بہار۔انڈیا) قیام کے دوران شہر کے مسلمان نوجوانوں کو خفیہ فوجی ٹریننگ دی۔اور اس مقصد

Marfat.com

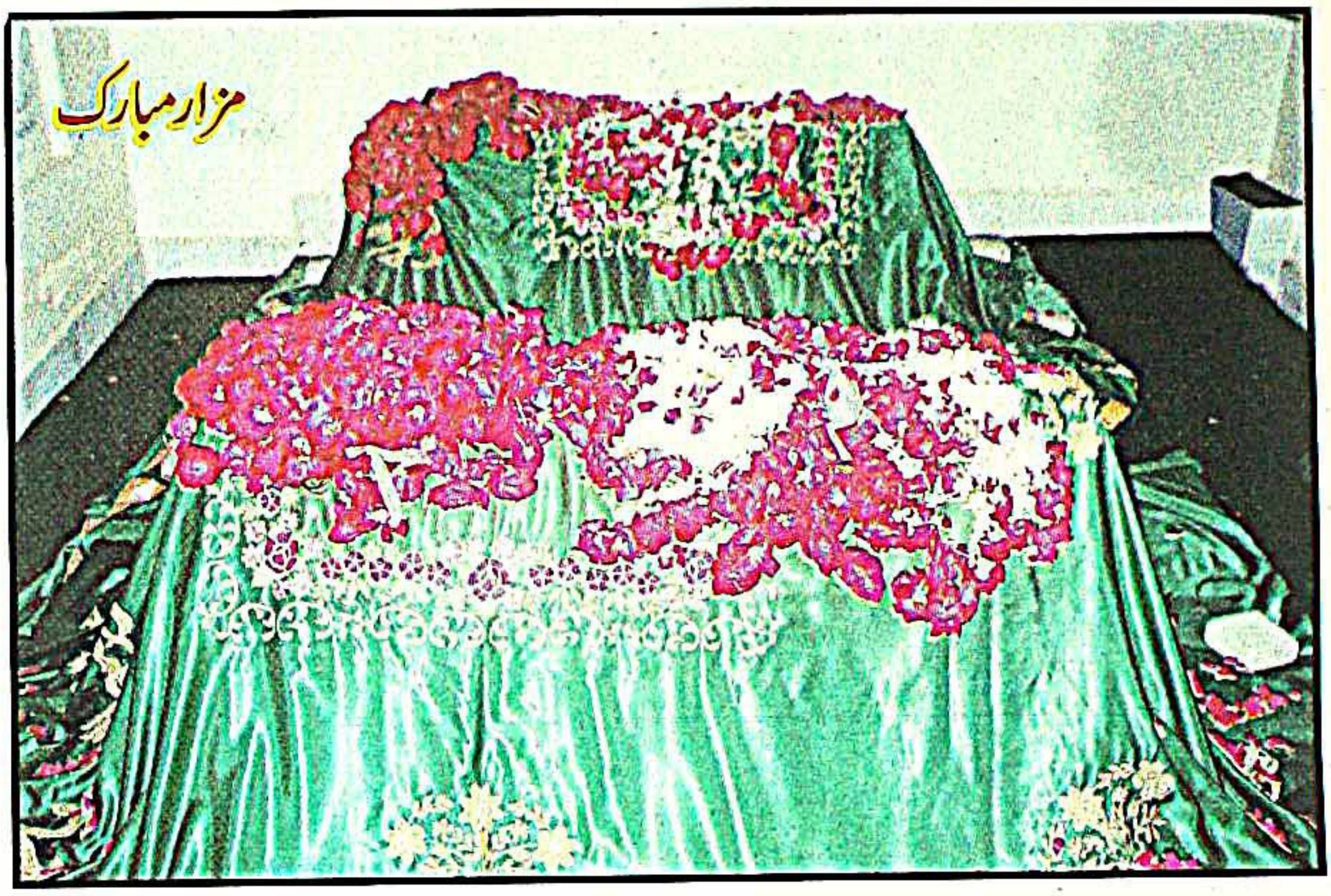

مزار مبارک حضرت باباشاہ محمد سلیمان شاہؒ کا اندرونی روح پرور منظر

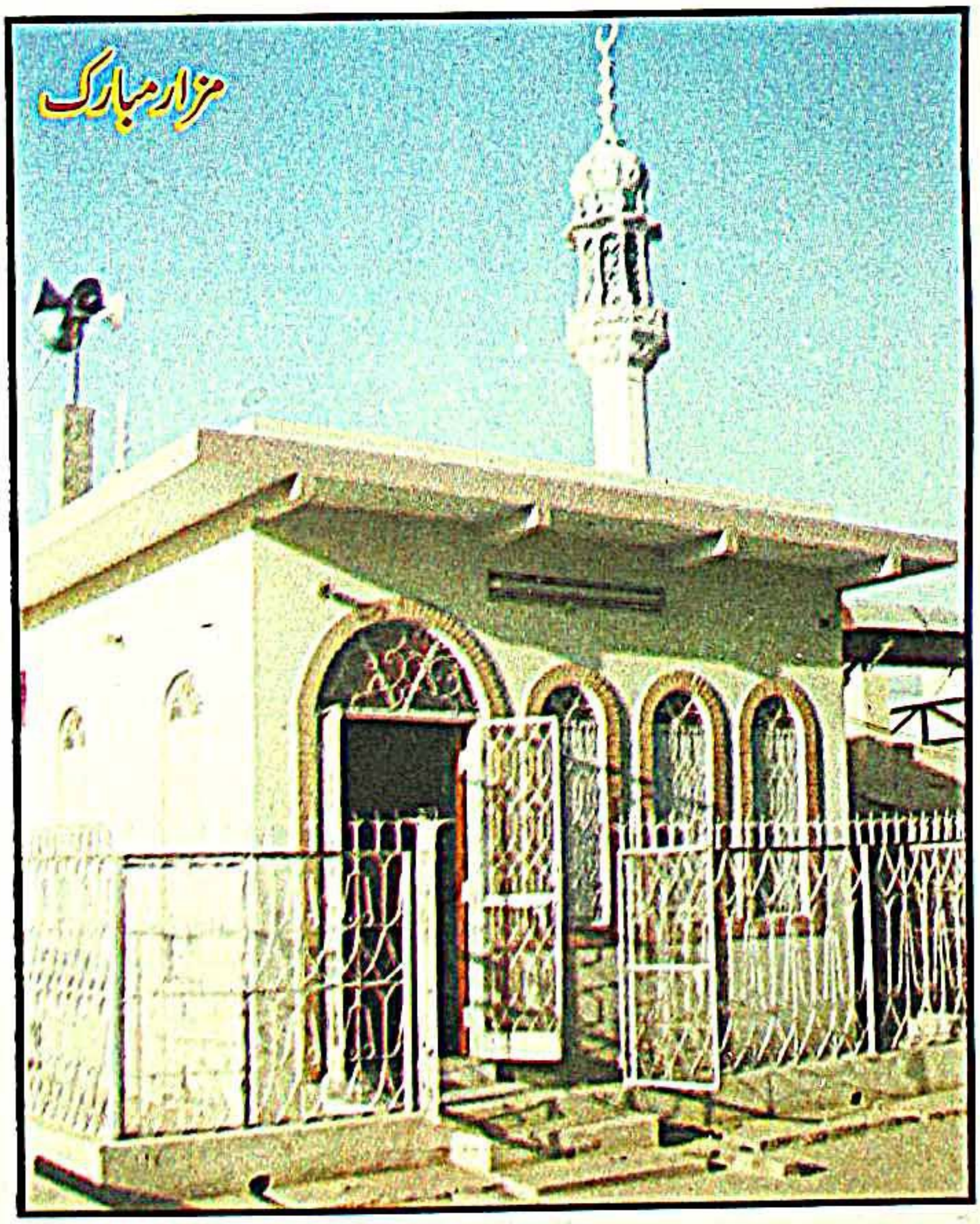

مزار مبارک حضرت باباشاہ محمد سلیمان شاہؒ کا ایک بیرونی منظر

Marfat.com

Marfat.com

مکان نمبر ۸۴۷-ایف ماڈل ٹاؤن 'بی' بہاولپور

جہاں بابا شاہ محمد سلیمان شاہؒ نے زندگی کے آخری بیس برس گزارے

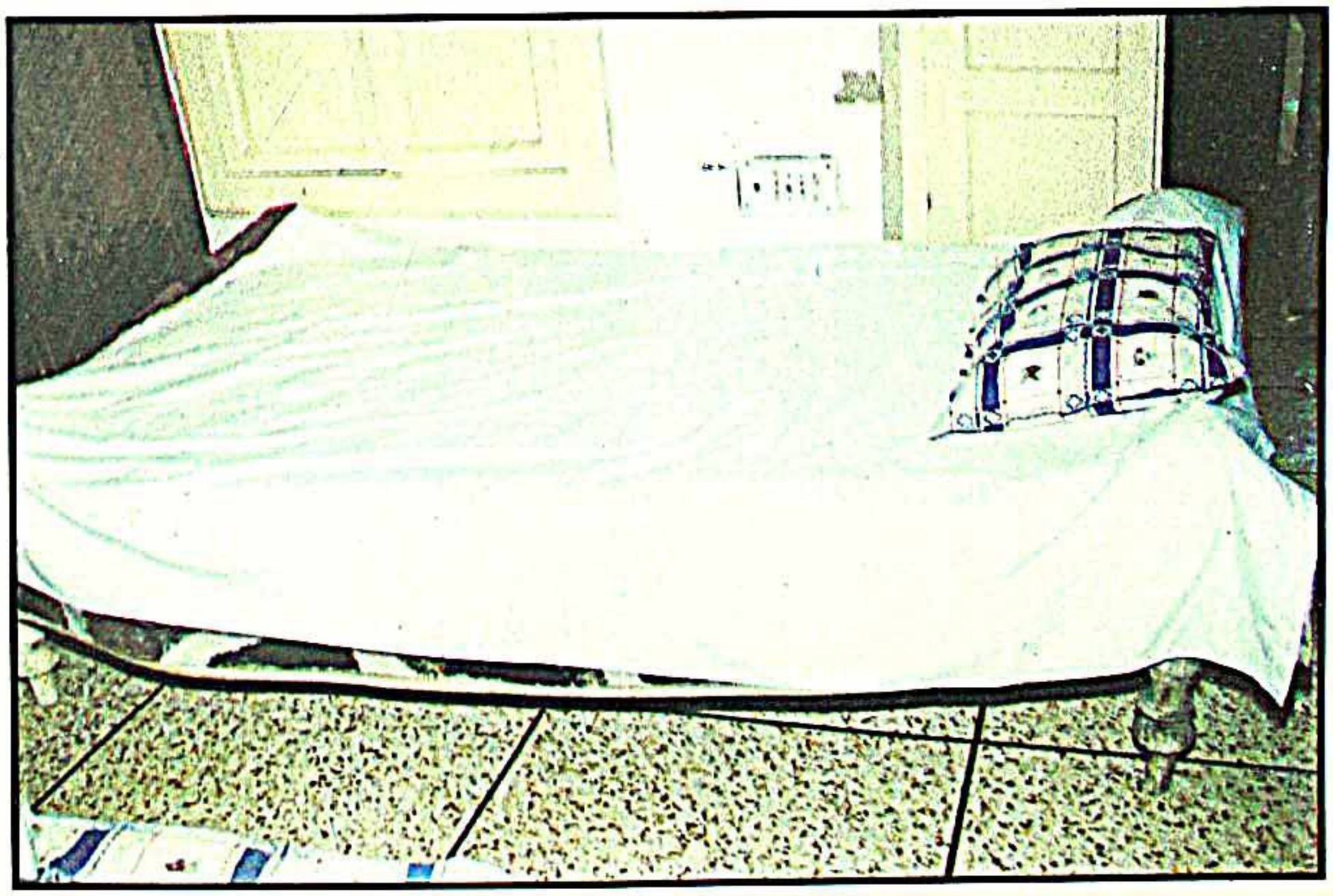

مکان نمبر ۸۴۷-ایف ماڈل ٹاؤن 'بی' بہاولپور کا اندرونی منظر۔

وہ جگہ اور وہ چارپائی جہاں بابا شاہ محمد سلیمان شاہؒ آرام فرماتے تھے

Marfat.com

Marfat.com

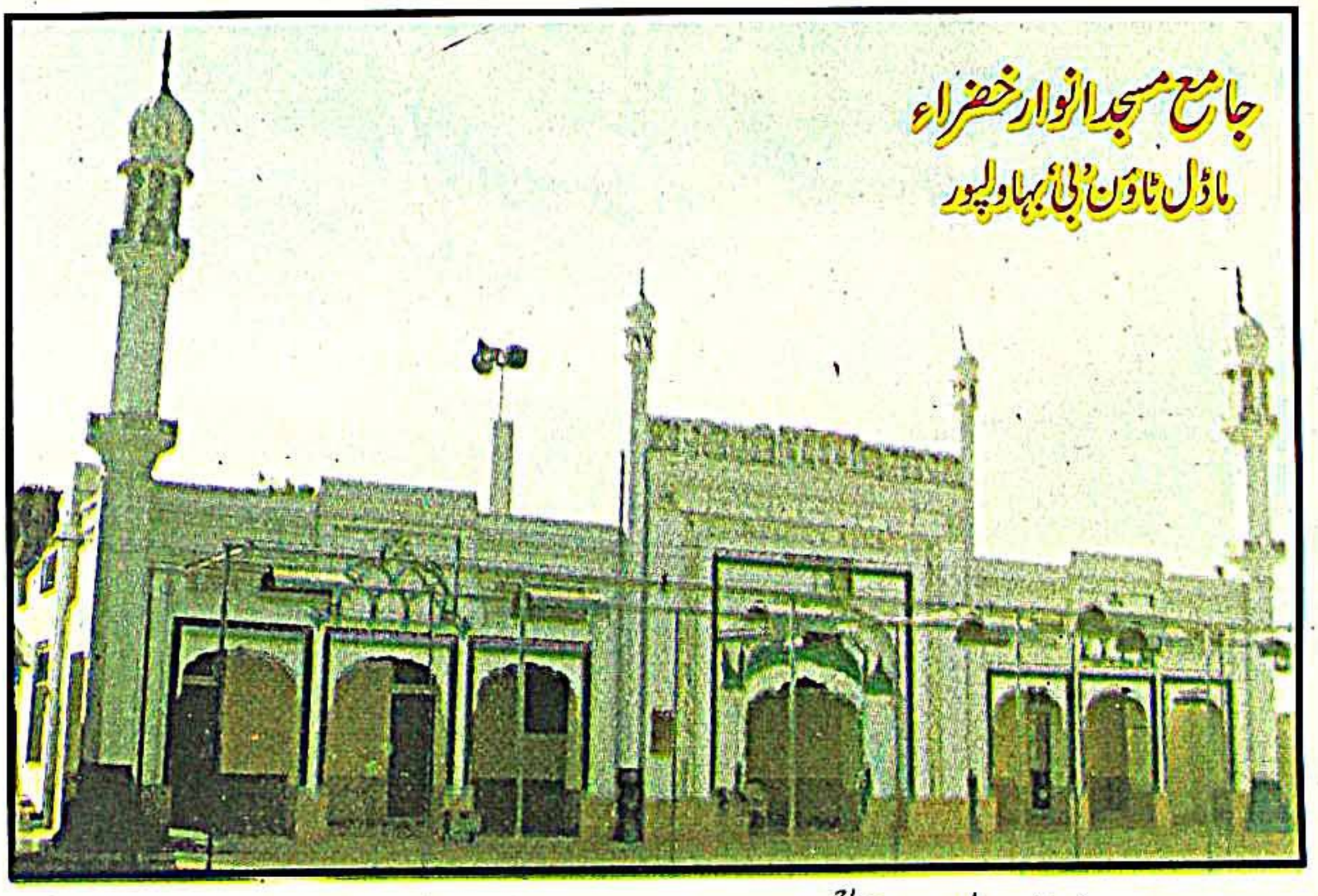
جامع مسجد انوار خضراء
ماڈل ٹاؤن 'بی' بہاولپور

حضرت باباشاہ محمد سلیمان شاہؒ اس مسجد میں بیس برس تک مصروف عبادت وریاضت رہے

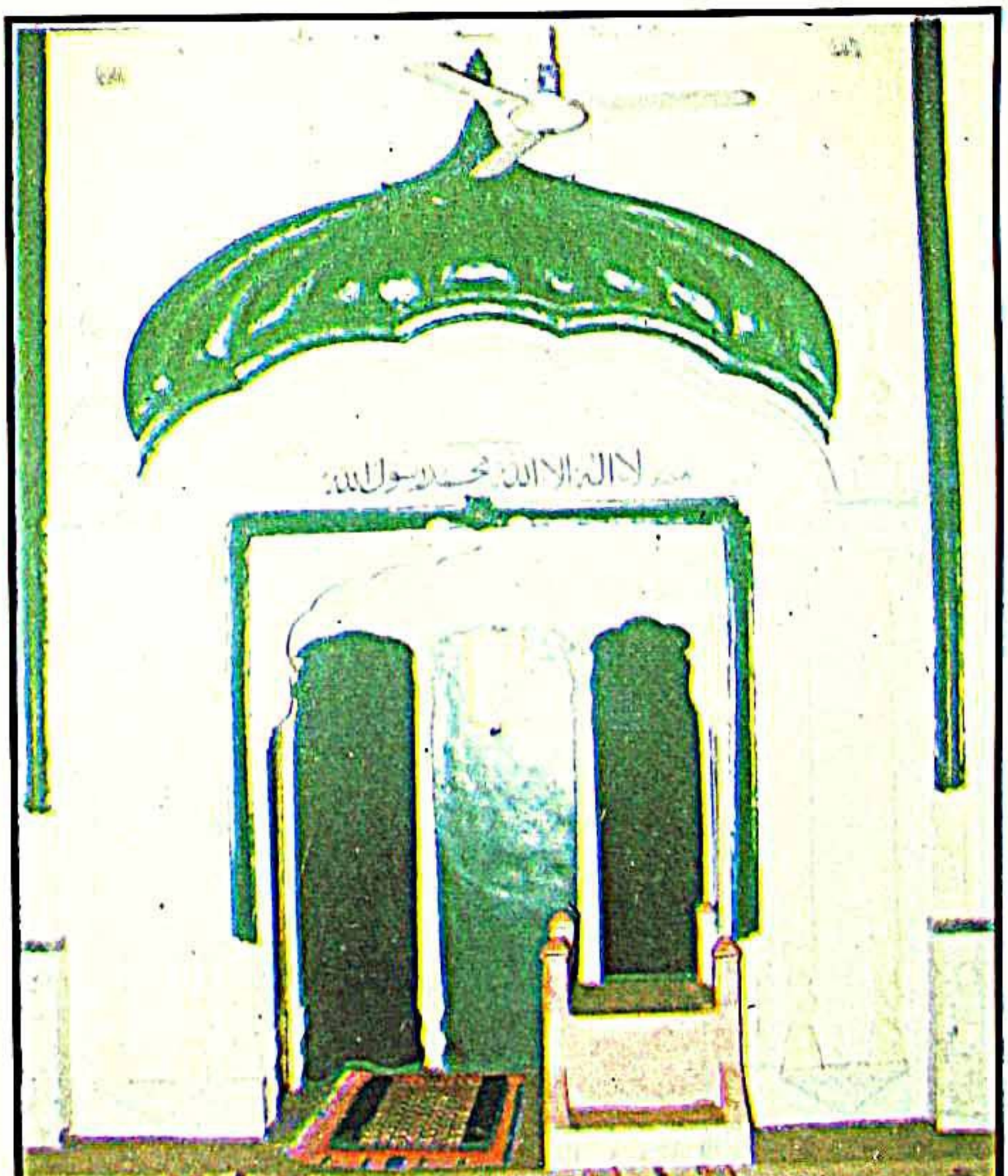

جامع مسجد انوار خضراء ماڈل ٹاؤن 'بی' بہاولپور کا اندرونی منظر

محراب ومنبر کے قریب وہ جگہ جہاں حضرت باباشاہ محمد سلیمان شاہؒ
دوستوں اور عقیدت مندوں سے ملاقات کرتے اور ان کیلئے دعا بھی فرماتے

Marfat.com

Marfat.com

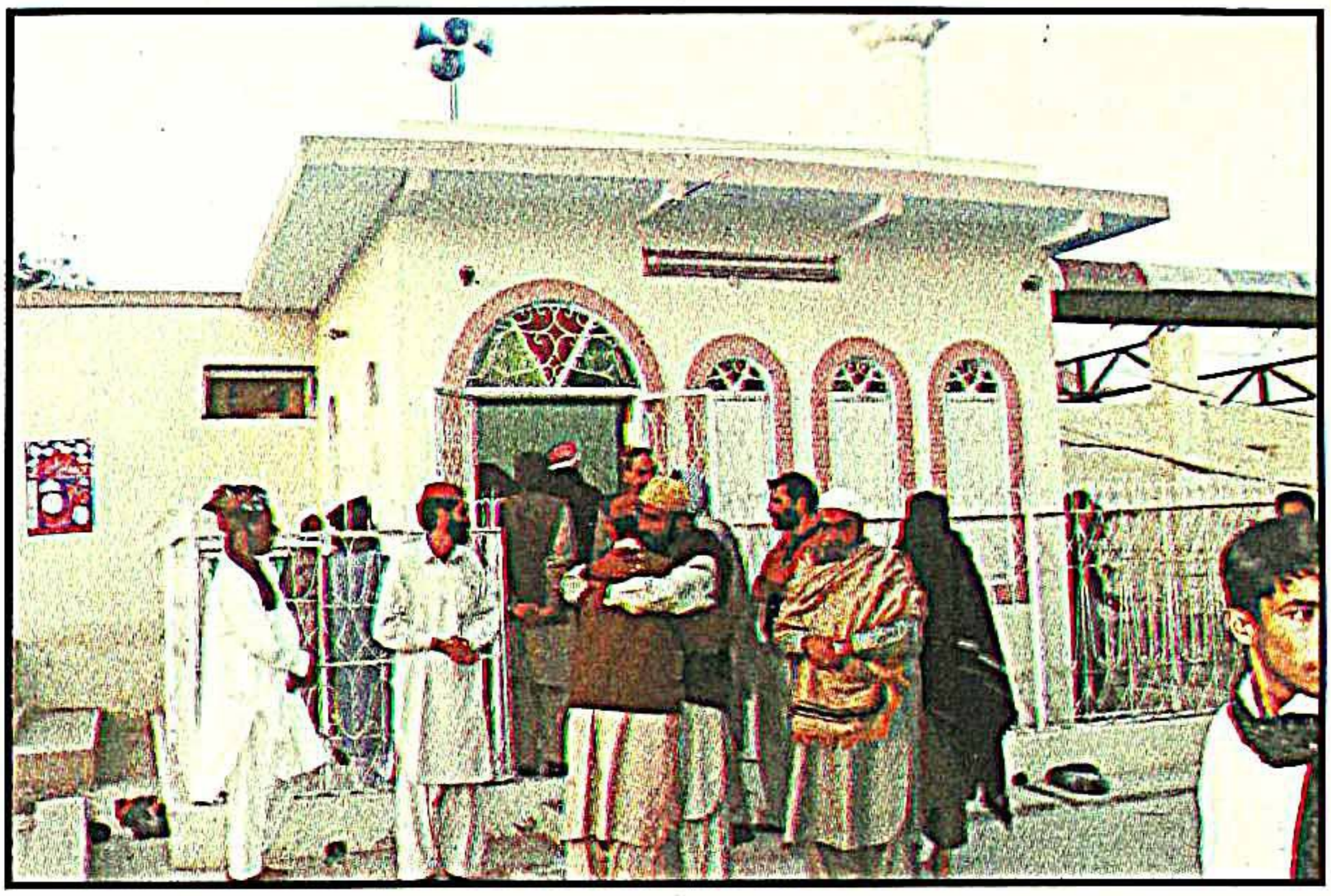

زائرین کی آمد کا ایک منظر

مزار مبارک حضرت بابا شاہ محمد سلیمان شاہؒ متصل جامع مسجد فاروق ماڈل ٹاؤن 'بی' بہاولپور

زائرین کی آمد کا ایک منظر

زائرین عرس مبارک کی تقریب میں شرکت کے لئے تشریف لا رہے ہیں

Marfat.com

Marfat.com

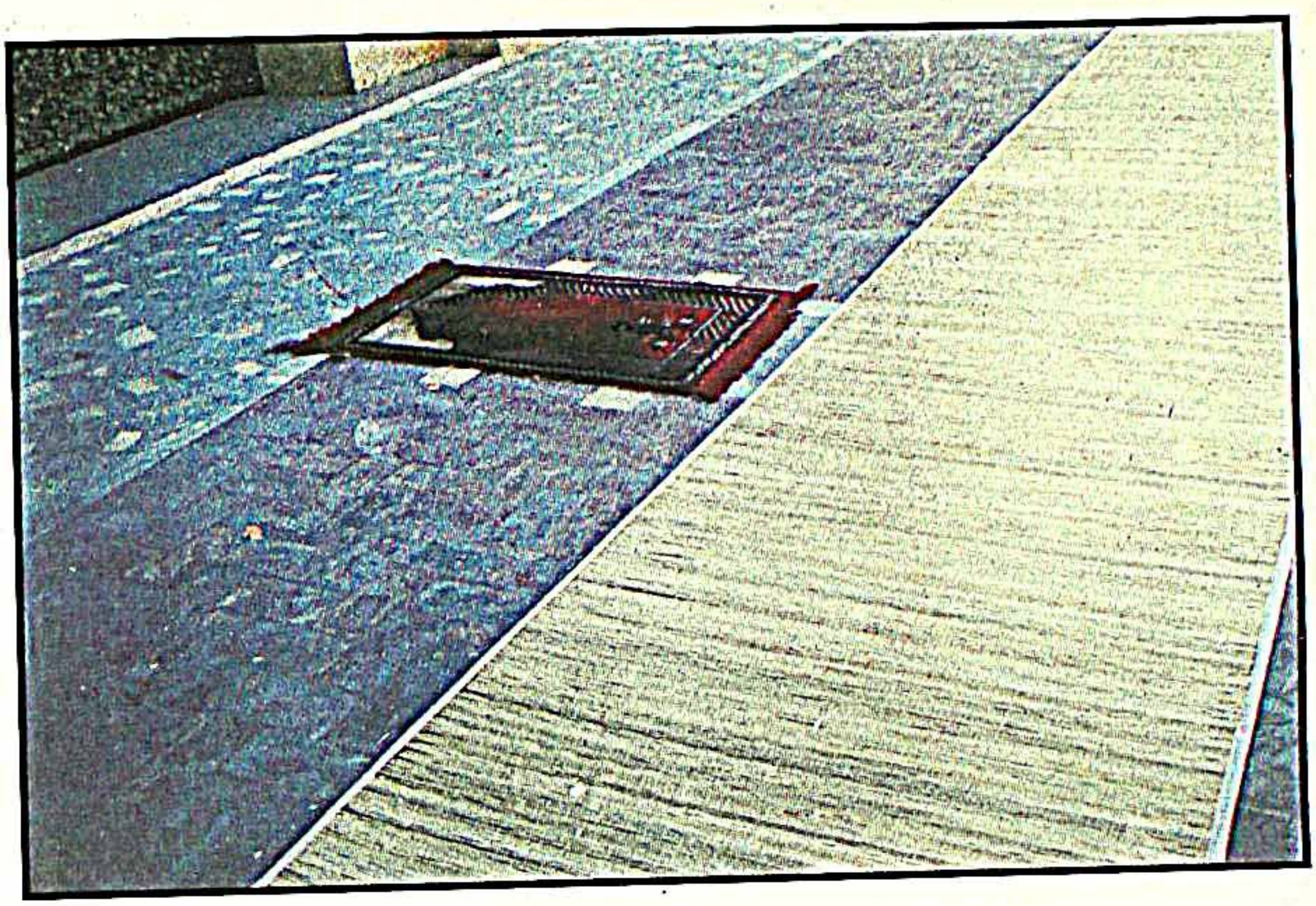

جامع مسجد انوار خضراء ماڈل ٹاؤن 'بی' بہاولپور کا وسیع و عریض صحن

حضرت بابا شاہ محمد سلیمان شاہؒ موسم سرما میں اسی صحن مسجد میں تشریف فرما ہوتے
لوگوں کی تکالیف سنتے اور دعا فرماتے

عرس مبارک حضرت بابا شاہ محمد سلیمان شاہؒ کے موقع پر
صحنِ جامع مسجد انوار خضراء ماڈل ٹاؤن بی میں لنگر تقسیم کیا جا رہا ہے

کے لیے کلکتہ سے انسٹرکٹر بلوائے ، جنھوں نے شہر کے مسلمان نوجوانوں کو ہندوؤں سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار کیا ۔ اس طرح وہ انگریز حکومت کی نظروں میں آ گئے ۔ لیکن انھوں نے کوئی پروانہ کی اور ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمانوں کی ہر طرح امداد کرتے رہے ۔ وہ ہندوؤں کے محلوں میں سے بڑی بیباکی سے گزرتے اور ہندوؤں کو جرأت نہ ہوتی کہ وہ انھیں میلی آنکھ سے دیکھ سکیں ۔ صوفیاء کے بارے میں جو یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ وہ عزلت گزیں اور بے عمل ہوتے ہیں ، عملی زندگی سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا ، میرے والد کے کردار کا یہ پہلو اس تاثر کی صریحاً نفی کرتا ہے ۔ ہمارے اکابر صوفیاء میں حضرت شیخ شہاب الدین محمد عمر سہروردیؒ ، حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ وغیرہ ہم تاتاریوں سے نبرد آزما رہے ۔ اور بالآخر شہید ہوئے ۔ حضرت حافظ جمال اللہ ملتانیؒ نے سکھوں کے ساتھ لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا ۔ حضرت بابا شاہ محمد سلیمانؒ اپنے اکابر صوفیاء و مشائخ کے نقشِ قدم پر چلے ۔ ہندوؤں اور انگریزوں کے خلاف صف آرا رہے ۔ وہ تحریکِ پاکستان کے خاموش کارکن تھے ۔ انھوں نے پاکستان کے لیے بہت کام کیا ۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد وہ کسی صلے کے طلبگار نہ ہوئے ۔ حتیٰ کہ اُن کے پاس رہائش کے لیے ذاتی مکان تک نہ تھا ۔

اسلام ہمارے صوفیاء کے حسنِ اخلاق اور غیر متعصّبانہ طرزِ عمل کی وجہ سے پھیلا ۔ اُن کے تعلقات ہر مذہب و ملت کے لوگوں سے تھے ۔ میرے والد نے آسٹریلیا سے آئے ہوئے ایک ہندو کو کلمہ پڑھایا اور تبلیغِ اسلام کا حق ادا کیا ۔ یہ ہندو آسٹریلیا سے بابا صاحبؒ کی شہرت سن کر بہاولپور آیا ۔ آپ مسجد خضراء ، ماڈل ٹاؤن بی بہاولپور میں تشریف فرما تھے ۔ وہ ہندو پہلی ہی ملاقات میں مسلمان ہو گیا ۔ آپ نے اسے واپس آسٹریلیا جانے اور وہاں تبلیغِ اسلام کا وقیع فریضہ انجام دینے کا حکم دیا ۔

میرے والد صاحب بابو راجندر پرشاد سے اپنے اچھے تعلقات کا ذکر کرتے تھے ۔

Marfat.com

پاکستان بننے کے بعد بابو راجندر پرشاد ہندوستان کے صدر بن گئے ۔فرمایا کرتے راجندر بابو اچھے انسان تھے اور قطعی طور پر غیر متعصب تھے ۔ والد صاحب کی ملاقات نوبل انعام یافتہ رابندر ناتھ ٹیگور سے بھی رہی ۔ قیامِ پاکستان سے قبل میرے والد ایسٹ انڈیا ریلوے میں ملازمت کرتے تھے ۔ فرماتے تھے کہ ٹرین میں سفر کے دوران رابندر ناتھ ٹیگور سے ملاقات ہوئی ۔ دیکھنے میں بالکل مسلمان لگتا تھا ۔ براق جیسی سفید داڑھی تھی اور رنگت بھی صاف تھی ۔ ظاہری حسن کے ساتھ ساتھ بڑا خوش اخلاق اور خوش گفتار تھا ۔ والد صاحب علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر ضیاء الدین احمد سے بھی اپنی کئی ملاقاتوں کا ذکر کرتے تھے ۔ ڈاکٹر صاحب مسلمانانِ ہند کے بہت بڑے محسن تھے ۔ مسلمان نوجوانوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے میں ان کا بڑا ہاتھ تھا اور ڈاکٹر صاحب ہر وقت اسی سوچ میں گم رہتے تھے ۔ دوران سفر ایک بار والد صاحب ٹرین کے اُس ڈبے میں گئے جہاں ڈاکٹر ضیاء الدین احمد تشریف فرما تھے ۔ والد صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہیں ۔ ڈاکٹر صاحب محویت کے عالم میں تھے اور اُنھیں یہ بھی یاد نہ تھا کہ کہاں جا رہے ہیں ۔ والد صاحب کے سوال پر کہ کہاں جا رہے ہیں ڈاکٹر صاحب نے جیب سے ٹکٹ ٹٹول کر دیکھا اور بتایا کہ فلاں جگہ جا رہا ہوں ۔ والد صاحب بتاتے تھے کہ یہ وہ لوگ تھے جو ہر وقت قوم کے غم میں گم رہتے تھے ۔ یہاں تک کہ انھوں نے اپنی ذات تک کی نفی کی ہوئی تھی ۔ والد صاحب کہتے تھے کہ میں نے ایک دفعہ ڈاکٹر صاحب کو دیکھا کہ انھوں نے صرف شیروانی پہنی ہوئی ہے ۔ شیروانی کے نیچے قمیص نہیں ہے ۔ گرمی کی وجہ سے اُنھوں نے شیروانی کے بٹن کھولے تو معلوم ہوا کہ قمیص نہیں ہے ۔ قمیص نہ پہننے کی وجہ پوچھی تو فرمایا قمیص پہننے میں لگ جاتا تو وقت پر نہ پہنچ پاتا ۔

والد صاحب کا علمی ذوق خاصا وقیع تھا اور وہ ادبیات پر خاصا عبور رکھتے تھے ۔ اس سلسلے میں ادیبوں اور دانشوروں سے بھی آپ کے تعلقات تھے ۔ ان شاعروں اور ادیبوں

Marfat.com

میں بہزاد لکھنوی، فانی بدایونی اور جگر مرادآبادی کے نام نمایاں ہیں۔ نیز آغا حشر کاشمیری کے بارے میں والد بتاتے تھے کہ اُن کے ڈراموں کی کامیابی میں ہمارا ہاتھ بھی ہے۔ اس موضوع پر آغا صاحب سے کئی بار گفتگو ہوئی۔ آغا صاحب جب ایک جگہ سے دوسری جگہ بذریعہ ٹرین جاتے تو ہم اُن کی معاونت کرتے اور اُنھیں ہر طرح کا آرام پہنچانے کی کوشش کرتے۔

میرے والد فنِ عروض سے بھی واقف تھے۔ وزن، بحر اور شعر کی بندش پر سیر حاصل بحث فرماتے۔ آپ کے کہنے پر میں نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اردو کیا۔ ۱۹۶۵ء میں ایم اے کرنے کے دوران اور بعد کو بھی آپ میرے ساتھ کئی دفعہ ادبی گفتگو فرماتے تھے۔ دورانِ تعلیم مجھے ڈاکٹر سید عبداللہ، پروفیسر وقار عظیم، ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر سلیم اختر، اور پروفیسر عرش صدیقی جیسے اکابرین سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ میں نے باقاعدہ کتابیں پڑھ کر ایم اے پاس کیا۔ کسی گائیڈ یا خلاصے کی شکل تک نہیں دیکھی۔ اردو ادب کی تمام بڑی کتابیں آج بھی میری ذاتی لائبریری میں موجود ہیں۔ ان تمام باتوں کے باوصف والد صاحب کے ساتھ ادبی گفتگو میں اُنھی کا پلہ بھاری رہتا۔ جو کچھ وہ جانتے میرے علم میں نہ ہوتا۔ آنھوں نے ریلوے بک سٹال ملتان چھاؤنی کے مالک کو کہہ رکھا تھا کہ میرا لڑکا جو بھی کتاب لینے آئے اسے فوراً دے دو اور مجھے کتاب کا بل بھیج دو۔ مجھے یہ فخر ہے کہ والد صاحب ایک پڑھے لکھے بزرگ تھے اور کتب بینی کا ذوق اُنھیں کی وجہ سے مجھے ورثہ میں ملا ہے۔

بزرگانِ دین نے صاف صاف لکھا کہ علم شریعت کے بغیر کوئی شخص نجات نہیں پا سکتا۔ خود حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ ایک عالم شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہوتا ہے۔ نیز فرمایا کہ جو شخص بغیر علم کے عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔ وہ ایسا ہے جیسے خراس کا گدھا کہ دن رات چکی چلائے مگر نفع کچھ نہیں۔ بے علم عابد شیطان کی چالوں سے

Marfat.com

بے خبر ہوتا ہے اور اسی لیے اس کے دامِ فریب میں پھنس جاتا ہے۔ جو شخص علم کے بغیر خدا تعالیٰ کی عبادت کرے گا وہ جتنا سنورے گا اس سے زیادہ بگڑے گا۔

میرے والد علم طریقت کے ساتھ ساتھ علم شریعت سے پوری طرح آگاہ تھے۔ وہ آج کل کے جاہل اور دنیا دار پیروں کی طرح نہ تھے جن کے پاس نہ علم ہے، نہ عمل۔ مسندِ ارشاد جنھیں ورثے میں ملی ہے۔ ذاتی لیاقت نام کو بھی نہیں۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ آپ نے کون کون سی کتابیں پڑھی ہیں تو اُن کا جواب نفی میں ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض نے ''چپ کا روزہ'' رکھا ہوا ہوتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ ان کی جہالت ہوتی ہے۔ بات کریں تو کیا کریں۔ انھیں کچھ بھی نہیں آتا۔ ہاں ایک کام خوب آتا ہے۔ یعنی نذرانے وصول کرنے کا فن۔ اقبال نے خوب کہا ہے:

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
نذرانہ نہیں سود ہے پیرانِ حرم کا
ہر خرقۂ سالوس کے اندر ہے مہاجن
شہری ہو دیہاتی ہو مسلمان ہے سادہ
مانندِ بتاں پجتے ہیں کعبے کے برہمن

والد صاحب کا یہ بے غرضانہ طرزِ عمل آج کل کے پیشہ ور پیروں اور مولویوں کو لمحہ فکریہ فراہم کرتا ہے۔

استقامت کرامت سے بہتر ہے۔ کرامت معیارِ ولایت نہیں۔ ثقہ صوفیاء نے اظہار کرامت کو ناپسند کیا ہے۔ خواجہ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں:

''سلوک کے سو درجے مقرر کئے گئے ہیں۔ ان میں سے سترھواں درجہ کرامت ہے۔

Marfat.com

اگر سالک اس درجے میں رہ جائے تو وہ باقی کے تراسی درجوں تک کیسے پہنچے گا۔''

حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں:

''اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ اسے کرامات عطا کی گئی ہیں حتیٰ کہ وہ ہوا میں اڑتا ہے تو اس سے دھوکا مت کھاؤ جب تک کہ یہ نہ دیکھ لو کہ وہ اوامر ونواہی کی رعایت، حدود اللہ کی محافظت اور آداب شریعت کی پیروی میں کیسا ہے۔''

صوفیاء کی محافل ومجالس خوارق سے معمور نہیں ہوتیں۔ بلکہ ان کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ افسردگیوں اور مایوسیوں میں گھرا ہوا کوئی شخص ان کی محفل میں جاتا ہے تو اسے وہاں ایک طرح کا سکون ملتا ہے۔ اب کوئی کھٹک اس کے دل میں نہیں رہی، اس لیے کہ اطمینانِ قلب کا اصل ذریعہ ''ذکر اللہ'' ہے۔ اور یہی جنس صوفیاء کے ہاں ارزاں ہے۔ امیر ابوالعلاؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''ہمارے ہاں کشف وکرامات کی دنیا نہیں بلکہ عالم الوندی ہے۔''

حضرت بابا شاہ سلیمانؒ نے عشق کا سمندر پیا ہوا تھا لیکن وہ ظاہر نہ کرتے تھے۔ وہ اندر باہر صوفی تھے اور شانِ ولایت ان کی شان تھی۔ وہ کوئی ایسی بات نہ کرتے تھے جس سے ظاہر ہو کہ وہ صاحبِ کشف وکرامات ہیں۔ لیکن آنکھ والا پھر بھی بہت کچھ دیکھ لیتا تھا

حضرت والدؒ کی وفات کے چند ماہ بعد حضرتؒ کے ایک عقیدت مند دوست میر سید علاؤالدین مبارک نے فقیر سے ایک بات کہی۔ فقیر نمازِ مغرب کی ادائیگی کے لیے مسجد خضراء ماڈل ٹاؤن بی گیا۔ نماز کے بعد میر سید علاؤالدین مبارک فقیر سے مخاطب ہوئے اور فرمایا:

''میں نے آج اپنی آنکھوں سے تمھارے والد کی کرامت دیکھی ہے۔ جب میں نمازِ مغرب پڑھنے آ رہا تھا تو تمھارے والد میرے ساتھ مسجد میں داخل ہوئے اور انھوں نے اسی جگہ نماز پڑھی جہاں وہ اپنی زندگی میں پڑھا کرتے تھے۔''

Marfat.com

فقیر نے میر صاحب کی بات سن کر خاموشی اختیار کی اور اس واقعے کی تشہیر نہیں کی۔

میر علاؤالدین مبارک کچھ عرصہ گزرا وفات پا گئے۔ وہ ماڈل ٹاؤن بی میں رہتے تھے۔ اُن کی اولاد آج بھی ماڈل ٹاؤن بی میں رہتی ہے۔ اُنکی عمر ستر سال سے متجاوز تھی۔ انھوں نے جو کچھ مجھے بتایا مجھے اس کا یقین ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ نبی اور ولی بعد از وفات بھی متصرف ہوتے ہیں۔ جب چاہیں، جہاں چاہیں جا سکتے ہیں اور جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ بلکہ بعد از وفات اُن کا تصرف بڑھ جاتا ہے۔

والد صاحبؒ کا مزار شریف جامع مسجد فاروق ماڈل ٹاؤن بی کی دیوار سے ملحق ہے اور مسجد شریف کے مینار کے عین نیچے واقع ہے۔ مسجد کی کھڑکی مزار شریف کے احاطے میں کھلتی ہے۔ فقیر جب کبھی مزار شریف پر حاضری دیتا ہے تو نماز اسی مسجد شریف میں ادا کرتا ہے۔ اب سے کچھ عرصہ پہلے مسجد کے امام اور خطیب مولوی محمد شریف صاحب تھے۔ مولوی صاحب اب وفات پا گئے ہیں۔ ان کی جگہ ان کے بیٹے امامت و خطابت کے فرائض انجام دیتے ہیں۔

مولوی محمد شریف ابھی حیات تھے۔ رمضان المبارک کے دن تھے۔ مولانا مسجد شریف میں معتکف تھے۔ فقیر رمضان المبارک کی رعایت سے کچھ نذرانہ لے کر اُن کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعا کی درخواست کی۔ مولانا نے دعا کی اور فقیر سے کہنے لگے۔

''میں روزانہ رات کے وقت تمھارے والد صاحب کے ایصال ثواب کے لیے فاتحہ خوانی کرتا ہوں۔ فاتحہ خوانی کے بعد کھڑکی پر دستک ہوتی ہے کہ آپ کا ایصال ثواب مجھ تک پہنچ گیا ہے۔'' مولوی صاحب مرحوم کہنے لگے کہ یہ بات کہنے کی نہیں تھی لیکن میں آپ کو بتا رہا ہوں۔

اولیاء اللہ کے مزارات مرکز تجلیات ہوتے ہیں۔ وہاں جا کر بڑا اطمینان اور سکون ملتا ہے۔ حضرت والدؒ کے مزار شریف کی یہی کیفیت ہے۔ مقامی حضرات کے علاوہ باہر سے

Marfat.com

آنے والے خان پور اور رحیم یار خاں کے ساتھیوں نے بارہا مجھ سے کہا کہ بابا صاحبؒ کے مزار پر آتے ہی یوں لگتا ہے کہ ہم غمِ دنیا سے آزاد ہیں اور ہمیں یہاں آ کر ایک گونہ سکون کا احساس ہوتا ہے۔

فقیر اپنی ملازمت کے بعض معاملات سے مطمئن نہ تھا۔ حضرت پروفیسر افتخار احمد چشتی صمدی سلیمانیؒ کی خدمت میں گزارش کی کہ کیا کروں؟ آپ نے بلا تامل ریٹائرمنٹ لینے کا حکم دیا لیکن فقیر ریٹائرمنٹ لینے سے ہچکتا تا رہا۔ ملازمت کے معاملات جب زیادہ تکلیف دہ ہو گئے تو فقیر نے والدؒ کے مزار پر دعا کی تو حضرت نے عالمِ رویا میں بڑے واضح انداز میں ملازمت چھوڑ دینے کا اشارہ دیا۔ آپ کا اشارہ ملتے ہی فقیر نے ریٹائرمنٹ کے کاغذات محکمے کو بھجوا دیے جو بغیر کسی تردد کے فوراً منظور کر لیے گئے اور الحمد اللہ آج جب کے فقیر ملازمت سے سبکدوش ہو چکا ہے اپنے آپ کو پہلے سے زیادہ خوش حال اور پُرمسرت محسوس کرتا ہے۔ اللہ کے کرم اور اپنے والد کی دعا سے فقیر انتہائی مطمئن اور خوش ہے۔

ذالک فضل اللہ یوتی من یشاء

میرے والد انتہائی مہربان اور مشفق انسان تھے۔ اُن کا یہ طرزِ عمل اپنے اور پرائے دونوں کے لیے تھا۔ حضرت والدؒ کی وفات کے بعد فقیر ایک بار خانپور گیا جہاں حضرت والدؒ کے ایک قدیمی اور قریبی ساتھی سے ملاقات ہوئی۔ اُن کا نام شریف عالم ہے۔ اُن کے ساتھ والد صاحب کے بارے میں گفتگو ہوئی تو وہ آبدیدہ ہو گئے۔ کہنے لگے وہ بڑے مہربان اور شفیق افسر تھے۔ وہ اپنے ماتحت عملے کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتے تھے۔ اگر ہم میں سے کوئی غلطی کرتا تو آپ اسے سمجھاتے اور کوتاہی کو نظر انداز فرما دیتے۔ ہمیں اپنے ساتھ لے کر چلتے اور کبھی اپنے سے کمتر نہ سمجھتے۔ واضح ہو کہ شریف عالم صاحبؒ نے حضرت والد کے ماتحت کی حیثیت سے کئی برس کام کیا تھا۔

Marfat.com

۱۹۶۰ء کی بات ہے فقیر ایمرسن کالج ملتان میں ایف اے کا طالب علم تھا اور امتحان کی تیاری کر رہا تھا کہ ایسے میں بیمار ہو گیا۔ صبح پیپر تھا اور رات کو شدید بخار نے آ لیا۔ والد صاحب گھر پر موجود تھے۔ اُنھوں نے پوری رات جاگ کر گزاری۔ دوا دی، میرے تلووں کو کپڑے سے رگڑتے رہے۔ والدہ صاحبہ ٹھنڈی پٹیاں ماتھے پر رکھتی رہیں۔ صبح ہوتے ہوتے بخار اتر گیا اور میں بہ حسن و خوبی امتحان میں شریک ہوا اور کامیاب رہا۔ یہ اللہ کی کریمی اور شفیق والد کی محبت کا نتیجہ تھا۔

زمانہ طالبعلمی ہی کی بات ہے ہمارے کالج میں آل پاکستان تقریری مباحثہ تھا۔ پروگرام رات کو تھا اور رات گئے تک جاری رہا۔ میں بھی اس پروگرام کے منتظمین میں شامل تھا۔ گھر واپس آتے آتے کافی دیر ہو گئی۔ رات کے دو بجے میں سائیکل پر واپس گھر آ رہا تھا۔ ڈیرہ اڈہ کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ والد صاحب سڑک کے کنارے کنارے پیدل چلے آ رہے ہیں۔ کہنے لگے تم نے بہت دیر کر دی اس لیے مجھے تمھیں دیکھنے کے لیے نکلنا پڑا۔ یہ اُن کی اولاد کے لیے شفقت اور محبت تھی۔ انھوں نے تمام عمر ہماری خدمت و محبت میں بسر کر دی۔ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے ہمارے لیے بہت کچھ کیا جبکہ ہم سے اُن کی کوئی خدمت نہ ہو سکی۔

۱۹۶۵ء اُن کی سروس کا آخری سال تھا۔ مجھ سے کہنے لگے جلدی جلدی ایم اے کر لو، میں تمھارے لیے ہی ملازمت کر رہا ہوں۔ ۱۹۶۵ میں آپ ملازمت سے سبکدوش ہوئے اور میں نے ۱۹۶۵ء ہی میں ایم اے پاس کر لیا۔ میں نے ریگولر اسٹوڈنٹ کی حیثیت سے ایف اے، بی اے اور ایم اے کے امتحانات اچھے نمبروں میں پاس کیے اور کبھی کسی امتحان میں فیل نہیں ہوا۔ یہ سب کچھ اللہ کی مہربانی اور والد صاحبؒ کی نظرِ کرم سے ممکن ہوا۔ عمر کے اکیسویں برس میں میرا تعلیمی کیریر ہر لحاظ سے مکمل ہو گیا اور ساتھ ہی حضرت والد کی دعا سے باعزت ملازمت بھی مل گئی۔

Marfat.com

ذالک فضل اللہ یوتی من یشاء

دعا ہے کہ بابا سائیں کا فیضان جاری و ساری رہے اور اللہ پاک ہم سب کو اُن کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین بجاہ المرسلین !

☆

جناب محمد حسن خاں میرانی نے حسب ذیل قطعاتِ وصال لکھے ہیں :

''مردِ قلندر جناب بابا محمد سلیمان چشتی صابری''

۱۹۸۹ء

سلیمانِ عالی قلندر برفت
بود بے گماں قدوۃ العارفیں
حسنؔ جست تاریخ چوں از خرد
ندا از فلک داد روح الامیں
زِ حکمِ خداوند رفت از جہاں
'' سلیماں قلندر بعرشِ بریں ''

۱۴۰۹ھ

☆

اٹھے دہر سے آج بابا قلندر
کہ تربت پہ اُن کی ہوں رحمت کے سائے
ندا مجھ کو ہاتف نے دی یہ حسنؔ
کہ '' باغِ جناں میں سلیمان آئے ''

۱۴۰۹ھ

Marfat.com

میرے والِد

﴿از صاحبزادہ اسد علی احمد ابنِ بابا شاہ محمد سلیمان شاہؒ﴾

میری پیدائش بھاگل پور (صوبہ بہار۔انڈیا) کی ہے۔ ماں کی محبت آمیز گود میں نہ جانے کتنا وقت گزر گیا ہوگا۔ وقت نے بتایا کہ گھر میں ایک بڑی بہن بھی ہے اور ایک چھوٹا بھائی بھی۔ ایک بہن اس چھوٹے بھائی سے ذرا سی بڑی تھی۔

کچھ وقت اور گزرا تو والدہ کے علاوہ ایک اور ہستی کا ایقان ہوا جو بہت محبت آمیز تھی، مگر کم سخن، رعب دار۔ حقیقت تو یہ تھی کہ اس ہستی کا سامنا کرنے سے ہم کترانے لگے۔ مگر وہ ہمیں انگلی پکڑ کر باہر لے جاتے۔ سیر کراتے اور ہماری من پسند اشیاء بھی خرید کر دیتے۔ جب وہ باہر سے گھر آتے تو ہماری والدہ کہتیں وہ دیکھو تمھارے ابّا جی آ گئے۔ اس طرح ہم اپنے والدِ محترم سے مانوس بھی ہوئے لیکن اس رعب اور دبدبے کا کیا کیا جاتا جو دل میں جاگزیں ہو چکا تھا۔ یہ رعب تو تا دمِ آخر قائم رہا۔

ہمارے والد صاحب ریاست کپورتھلہ (مشرقی پنجاب۔ انڈیا) کے ایک گاؤں نظام پور میں حافظ محمد عبداللہ کے گھر پیدا ہوئے۔ حافظ عبداللہ نہایت دیندار اور مہذب قسم کے انسان تھے۔ اکثر وقت یادِ الٰہی میں گزرتا۔ میرے والد کی والدہ بچپن ہی مین وفات پا گئیں۔ دادا جان فرمایا کرتے تھے کہ سلیمان مجھ سے سترہ برس چھوٹا ہے۔ دادا جان نے دوسری شادی کی۔ ان کے بطن سے میرے دو چچا عبدالمجید اور منظور احمد پیدا ہوئے۔ اللہ کا کرم ہے کہ دونوں بقیدِ حیات ہیں۔ اول الذکر چک نمبر ۶۶ ج ب دھاندرہ فیصل آباد میں اور دوسرے فیصل آباد کی گل فشاں کالونی میں رہائش پذیر ہیں۔ چچا عبدالمجید کھیتی باڑی کرتے جبکہ چچا منظور احمد رندھیر کالج کپورتھلہ میں پڑھا کرتے تھے کہ تقسیمِ ہند ہوئی اور گاؤں کے تمام افراد قافلے کی صورت میں بہزار خرابی پاکستان پہنچے۔

والد صاحب نوعمری ہی میں گھر سے نکل گئے تھے۔ اس وقت وہ غالباً آٹھویں یا نویں کے طالبعلم تھے۔ گھر سے نکلے تو معاش کے لیے کوشاں رہے۔ ملازمت کی ابتداء ریاست بہاولپور کی فوج سے کی۔ اُن دنوں میرے دادا کے عزیزون میں میجر خورشید انور ریاستی فوج کے اہم عہدے پر فائز تھے۔ انھیں کے ایما پر والد صاحب نے ریاستی فوج میں شمولیت اختیار فرمائی۔ واضح ہو کہ کشمیر پر پہلا حملہ میجر خورشید انور نے کیا، قید ہوئے اور عرصہ بعد رہا ہوئے۔ یہاں اُن دنوں کپورتھلہ ہی کے رہنے والے ملک غلام محمد بھی ملازمت کرتے تھے۔ ملک غلام محمد بعد کو گورنر جنرل پاکستان کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ یہ دونوں حضرات چند وجوہات کی بنا پر ریاست کی ملازمت چھوڑ کر کلکتہ چلے گئے اور وہاں ریلوے کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے۔ اُنھوں نے والد صاحب کو بھی کلکتہ بلا لیا اور ریلوے میں بطور T.T.E ملازمت دلوا دی۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ انگریزی زبان کا دور دورہ تھا اور انھیں انگریزی آتی نہ تھی۔ چنانچہ اُنھی دو بزرگوں نے مشورہ دیا کہ روزانہ ایک انگریزی اخبار خریدو اور بغل میں رکھو۔ جب فرصت ملے اسے پڑھنے کی کوشش کرو۔ اس نسخے پر عمل جاری رہا۔ حتیٰ کہ عام روانی سے انگریزی کا اخبار پڑھ بھی

Marfat.com

لیتے تھے اور انگریزی بول بھی لیتے تھے۔

غالباً یہ دور ۱۹۲۱ء کا ہے۔ اُنھی دنوں ان کی پہلی شادی ہوئی۔ اُن کے بطن سے ایک بیٹا مشتاق احمد اور ایک بیٹی صدیقہ بیگم پیدا ہوئے۔ بھائی مشتاق احمد کی وفات کو تقریباً تیس برس گزر چکے ہیں اور دھاندرہ فیصل آباد میں مدفون ہیں جبکہ صدیقہ بیگم حیات ہیں اور اپنے بال بچوں کے ساتھ لاہور میں قیام پذیر ہیں۔ والد صاحب کی یہ شادی زیادہ دیر تک نہ نبھ سکی کیونکہ وہ والد صاحب کی متحرک ریلوے کی زندگی کا ساتھ نہ دے سکیں اور واپس گاؤں نظام پور چلی گئیں۔ اب سے تقریباً بیس بائیس برس پہلے ان کا وصال ہوا اور دھاندرہ فیصل آباد میں مدفون ہوئیں۔ آپ والد صاحب کے سگے چچا صوبیدار رحمت اللہ مرحوم کی بڑی صاحبزادی تھیں۔

۱۹۳۰ء کے آگے پیچھے کا دور ہے جب آپ کو تصوف سے شغف ہوا اور اُنھوں نے حضرت شاہ محمد حسین شاہ چشتی صابری قادری باغبانپوری لاہوریؒ کے دستِ اقدس پر بیعت کی۔ موصوف ریلوے ورکشاپ مغل پورہ لاہور میں ملازم تھے۔ مگر روحانی درجات بہت بلند تھے۔ تمام زندگی اپنے ہاتھ سے رزقِ حلال کمایا۔ کبھی کسی مرید کے آگے دستِ سوال دراز نہ کیا۔ حضرت کا وصال ۱۹۵۳ء میں ہوا۔ مزار بجوارِ حضرت ایشاں یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور کے بالمقابل جی ٹی روڈ کے عین اوپر ہے اور آپ کے مرشدِ گرامی حضرت پیر محمد شاہ کا مزار بھی ایک کمرے کے اندر وہیں پر موجود ہے حضرت والد صاحب کو خلافت نامہ دادا مرشد حضرت پیر محمد شاہ بخاری کے مزار پر عطا کیا گیا۔

بیعت کے بعد والد صاحب کی تو دنیا ہی بدل گئی۔ ہر وقت یا اللہ، ورد۔ اور اسم اللہ قلب پر جاری ہو گیا۔ فارغ اوقات میں ذکرِ الٰہی رہتا۔ چھٹی ہوتی تو جمال پور (صوبہ بہار انڈیا) کی پہاڑیوں پر شب بسری ہوتی۔ اللہ کا ورد ضربِ قلب ہوتا۔ یہ سب باتیں مجھے اس وقت معلوم ہوئیں جب پاکستان بن گیا اور میں خاصا باہوش تھا۔

Marfat.com

۱۹۳۵ء کا جب زلزلہ آیا تو کوئٹہ اور بہار وغیرہ میں خاصی تباہی ہوئی ۔ والد صاحب بتاتے ہیں کہ وہ اس وقت ریل میں محوِ سفر تھے ۔ عظیم آباد (پٹنہ) کی طرف جا رہے تھے اور فرضِ منصبی پر تھے ۔ وہ اس تباہی کا ذکر اکثر بہت دردمندانہ لہجے میں کرتے ۔ اُنھی دنوں والد صاحب کا تبادلہ بھاگل پور (صوبہ بہار۔انڈیا) ہوا۔ یہ شہر کمشنری کا دارالحکومت ہے ۔ بڑا شہر ہے ۔ یہاں والد صاحب نے دوسری شادی کی ۔

والد صاحب کا شعری ذوق بہزاد لکھنوی مرحوم کا مرہون منت ہے ۔ موصوف بھی دیلوے میں ملازم تھے اور والد صاحب کے ہم کار تھے ۔ والد صاحب کو ان کی صحبت میں رہنے کا موقع ملا ۔ بقول والدِ مرحوم انھیں شعر سے کوئی دلچسپی نہ تھی ۔ والد صاحب بتاتے تھے کہاں پنجابی ڈھگا اور کہاں لکھنؤ کا نہایت نستعلیق شاعر ۔ کوئی لگا نہ تھا ۔ مگر بہزاد لکھنوی صاحب کا کمال کہ اُنھوں نے والد صاحب کو شعر پڑھنا سکھایا، علمِ عروض کی شُد بُد عطا کی ۔ تفکر دیا، پیرایۂ بیان دیا اور بقول والد صاحب کے پنجابی ڈھگے نے خود بھی شعر کہنا شروع کر دیا ۔ یہ رفاقت زیادہ دیر جاری نہ رہی لیکن غالباً یہ اسی صحبت کا اثر تھا کہ میرے والد صاحب کو کلامِ اقبال خصوصاً بانگِ درا اور بالِ جبریل از برتھیں ۔ دیوانِ غالب انھیں بیشتر زبانی یاد تھا ۔ اس کے علاوہ اس دور کے تمام بڑے اساتذہ نوح ناروی، بیخود دہلوی، اصغر گونڈوی، فانی بدایونی اور جگر مرادآبادی کا خاصا کلام یاد تھا اور وہ برمحل شعری مثال سے گفتگو کو آسان بنانے پر قادر تھے ۔

۱۹۳۶ء میں غالباً میری بڑی بہن روشن آرا پیدا ہوئیں ۔ ان کے بعد میں، میرے بعد بہن فاروقہ ۔ بہن فاروقہ کے بعد حیدر علی احمد پیدا ہوئے اور نوزائیدگی میں خدا کو پیارے ہوئے ۔ ان کے بعد طارق علی احمد پیدا ہوئے ۔ آخر میں بہن زاہدہ بیگم اور طاہر علی احمد جڑواں پیدا ہوئے ۔ طاہر علی احمد پیدائش کے چند دنوں بعد وفات پا گئے ۔

والد صاحب نے والدہ صاحبہ کو اپنے پیر طریقت کا مرید بنایا ۔ میرا اور برادرم طارق علی احمد کا نام بھی حضرت شاہ محمد حسین شاہ چشتی صابری باغبانپوری لاہوریؒ ہی نے تجویز کیا

Marfat.com

تھا۔ حضرت صاحب نے ہمارے ناموں کے ساتھ علی احمد اس لیے لگایا کہ ان کے سلسلہ صابریہ کے پیشوا کا اسم گرامی سید علی احمد صابر کلیری ہے۔ آج الحمد اللہ بابا صاحب کے پوتے صاحبِ اولاد ہو چکے ہیں۔ اُن کے ناموں کے ساتھ علی احمد لگا ہوا ہے۔ آپ کے پوتے عاصم علی احمد کے بیٹے کا نام عمار علی احمد ہے اور دوسرے پوتے ڈاکٹر ناظم علی احمد کے بیٹے کا نام اسعد علی احمد ہے۔

والدہ صاحبہ بتاتی تھیں کہ ایک دفعہ والد صاحب جمال پور (صوبہ بہار۔ انڈیا) کی پہاڑیوں میں ذکرِ الٰہی میں مشغول تھے اور ورد کے دوران میں بآوازِ بلند دل پر ضرب لگا رہے تھے۔ شام کا جھٹپٹا تھا۔ شجر، حجر اور انسان سبھی شام کے دھندلکوں میں گم ہو رہے تھے۔ ورد کی آواز بڑے تواتر اور جذب و کیف میں ڈوبی ہوئی بلند ہو رہی تھی کہ ایک انگریز شکاری اس طرف آ نکلا۔ ہاتھ میں بندوق تھامے وہ اس آواز کی طرف متوجہ ہوا اور جانا کہ کوئی درندہ ہے۔ چنانچہ اس نے شست باندھی اور لبلبی دبانا چاہتا تھا کہ اس کے دل میں خیال آیا کہ زیادہ قریب سے نشانہ لیا جائے۔ جب وہ قریب آیا تو اسے احساس ہوا کہ یہ کوئی درندہ نہیں بلکہ انسان ہے۔ وہ قریب آیا اور زندگی کی نوید دی۔ والد صاحب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم نہ تھا۔

والد صاحب کا تبادلہ ایک صحت افزا مقام صاحب گنج (صوبہ بہار۔ انڈیا) کا ہو گیا۔ یہ چھوٹا سا شہر کوہِ ہمالیہ کے دامن میں سمٹا ہوا تھا۔ پہاڑ سرسبز اور طیور و حیوان سے پُر، جن میں درندے بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ علاقہ سنتھال پرگنہ سے متصل ہے۔ یہاں کے اصل باشندے سنتھالی کہلاتے تھے۔ گہرا سانولا رنگ، چھوٹے قد، چوڑے شانے، چوڑی ناک لیکن بلا کے پھرتیلے اور تیز و طرار۔ عموماً ایک اونچا سا تہ بند باندھتے اور اس میں خنجر ضرور رکھتے کہ نہ جانے کب کسی شیر یا چیتے سے مڈبھیڑ ہو جائے۔ یہ اصلی ٹارزن تھے۔ ہمارے وہاں قیام کے دوران میں دو تین بار ایسا ہوا کہ سنتھالیوں نے ایک جلوس کی شکل میں شہر کا رخ کیا۔ آگے آگے ڈھول کی تھاپ، اسکے پیچھے الٹی چارپائی پر چیتے کی لاش کو

کھڑا کیا ہوا اور چارپائی کو بانس کے ذریعہ لٹکایا ہوا۔ اور کبھی کبھی اس سنتھالی کی لاش بھی جس نے تن تنہا خنجر سے مقابلہ کر کے چیتے کو ختم کیا ہوتا۔ یہ لوگ بلا کے شہ زور تھے۔ محنت مزدوری ان کا شعار تھا اور پہاڑ سے جڑی بوٹیاں، پھل، جنگلی مرغیاں وغیرہ شہر لاتے اور روزی کماتے۔

میں نے اپنی تعلیمی زندگی کا آغاز اسی شہر سے کیا۔ شہر کیا تھا بہت مختصر سا قصبہ تھا جہاں انگریز حکام تفریح اور شکار وغیرہ کے لیے آتے تھے۔ ہندوؤں کے کچھ کارخانے تھے۔ بازار پر اُنھی کا عمل دخل ہوتا تھا۔ انگریز اور ہندو دونوں کی یہ کوشش تھی کہ مسلمان ابھرنے نہ پائیں۔ چنانچہ مسلمان کا معراجِ ملازمت باورچی، سائیس، کلرکی اور اس سے بھی کم تر منصب تھا۔

اس قصبے میں مسلمانوں کی اکثریت قصائی محلے میں رہتی تھی۔ مسلمانوں کو اجازت تھی کہ وہ گائے اور بکرے کا گوشت فروخت کریں۔ گھروں میں خواتین بیڑیاں بناتیں اور مرد حضرات انھیں دکانوں تک پہنچاتے۔ دراصل مسلمان یہاں بہت زبوں حال تھے۔ معمولی مزدوری، چھابڑی لگانا، ٹانگہ یا رکشہ چلانا اور نشہ کرنا ان کے مشاغل میں شامل تھا۔ خواتین بے حد صابر اور شاکر تھیں۔ غربت میں سسک سسک کر اپنا اور اپنے بچوں کا گزارا کرتیں۔ اس محلے میں ایک پرائمری اسکول، ایک تنگ و تاریک رہائشی عمارت میں قائم تھا جہاں میرے والد نے مجھے داخل کرایا۔ قریب ہی ایک لڑکیوں کا سکول بھی تھا جہاں میری بڑی بہن روشن آرا تیسری یا چوتھی جماعت میں پڑھتی تھیں۔

یہ اُن دنوں کی بات ہے جب بنگال میں قحط پیدا کیا گیا اور لاکھوں افراد بھوک کے ہاتھوں سوکھ کر کانٹا ہو گئے اور موت کی قربان گاہ پر عبرت نشان ہو گئے۔ یہ وہ دور ہے جب ماؤں نے اپنے لختِ جگر بیچے، جب عصمتوں کا سودا روٹی کے ایک نوالے پر ہو گیا۔ اولاد سا پیارا رشتہ اور عصمت سا عظیم تصور سب خس و خاشاک کی طرح بھوک، افلاس اور دشمنوں کے عزائم کی شدت کی تاب نہ لا سکا۔ ان دنوں والد صاحب کی ڈیوٹی ایسٹ انڈیا

Marfat.com

ریلوے میں کلکتہ جانے اور بلا ٹکٹ سفر کرنے والوں کی پڑتال کرنے پر تھی ۔ مجھے یاد ہے اُنھی دنوں مسلم لیگ اور کانگریس بڑے زوروں سے آزادی کی دھن بجا رہی تھیں ۔حکومت کے ساتھ عدم تعاون جاری تھا ۔ ریلوے خسارے میں جا رہی تھی ۔ بنگالی بچے، جوان اور خواتین کلکتہ اور دوسرے بڑے شہروں کا رخ کر رہے تھے ۔ ننگ دھڑنگ، میلے کچیلے، چہروں سے بھوک ہویدا، جسم انتہائی لاغر، ایک یا آدھی روٹی، دونوالے چاولوں کے لیے تڑپتے ہوئے بچے، صاحب گنج ریلوے اسٹیشن، منیاری گھاٹ اور شہر کے مختلف حصوں میں مارے مارے پھرتے ۔ والد صاحب ان دنوں مسلم لیگی تھے اور شہر کے مسلمان جوانوں کے لیڈر ۔ حکومت سے عدم تعاون چونکہ عام تھا، بلا ٹکٹ سفر بھی عام تھا ۔ بنگال اور کلکتہ سے افلاس زدہ بچے اور عورتیں رزق کی تلاش میں صاحب گنج تک آ جاتیں ۔ ان دنوں اکثر ایسا ہوتا کہ والد صاحب کے ساتھ چالیس پچاس بچے چلے آتے ۔ اول تو ریلوے اسٹیشن پر روٹی اور کھانا بیچنے والے وینڈر سے خرید کر ان بچوں کو کھلاتے اور اگر پھر بھی بچ جاتے تو انھیں گھر لے آتے ۔ میری والدہ انتہائی صابرہ خاتون تھیں ۔ وہ اپنے بچوں کے لیے جو کچھ پکاتیں وہ سب والد صاحب دوسرے بچوں کو پیش کر دیتے ۔ ایسے موقع پر ہمارے والدین کے درمیان کبھی کبھی رنجش بھی ہو جاتی مگر والد صاحب کا کہنا یہی ہوتا کہ تمھارے بچے تو کھانا کھائیں مگر قوم کے یہ بچے بھوکے رہیں یہ مجھے پسند نہیں ۔

۱۹۴۶ء میں بھاگل پور، رانچی، مونگھیر (صوبہ بہار ۔ انڈیا) وغیرہ میں فسادات پھوٹ پڑے جس میں مسلمانوں کو بہت زیادہ جانی اور مالی نقصان پہنچا ۔ ہمارے والد صاحب نے ہمیں صاحب گنج (صوبہ بہار ۔ انڈیا) سے نظام پور (ریاست کپورتھلہ) بھجوانے کا انتظام کیا ۔ واضح رہے کہ نظام پور میرے والد کا وطن تھا اور پورا ددھیال وہیں آباد تھا ۔ نظام پور کپورتھلہ سے پانچ چھ میل کے فاصلے پر تھا ۔ زندگی کی دوڑ سے بے نیاز لوگ، چھوٹی چھوٹی سی کاشتکاری، محدود وسائل، ہمارے چچا اور دیگر اقربا سب زمین کا سینہ چیر کر رزق حاصل کرتے تھے ۔ تھوڑی سی ذاتی زمین جس پر اُن کے اپنے کنویں آبیاری کے

Marfat.com

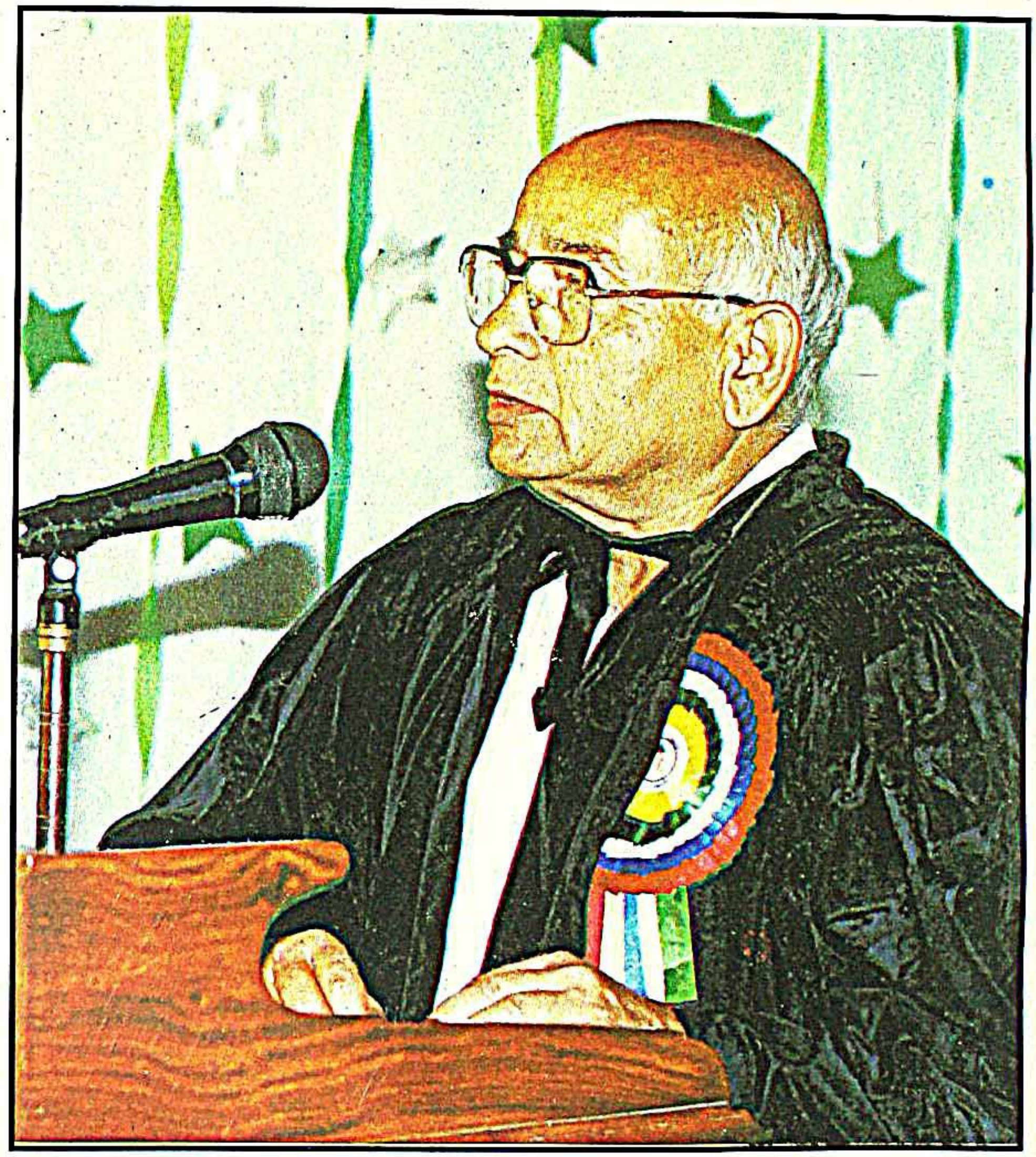

ممتاز ماہر تعلیم صاحبزادہ اسد علی احمد

ابن بابا شاہ محمد سلیمان شاہ رحمتہ اللہ علیہ

Marfat.com

Marfat.com

لیے موجود تھے ۔ ہمارے دادا خود بہت کم کاشتکاری کرتے ، اپنی زمین پر اُنھوں نے ایک چھوٹا سا باغ لگایا ہوا تھا جس میں امرود، لیموں ، مالٹے وغیرہ کے پودے لگے ہوئے تھے ۔ وہ اِنھیں کی چھاؤں میں بیٹھے تلاوتِ کلامِ پاک کرتے ، نماز پڑھتے اور دنیا کی تمام آلائشوں سے دور نہایت پاک صاف زندگی گزارتے ۔ گھر والے اور اہلِ محلّہ انھیں ''میاں جی'' کہہ کر مخاطب کرتے ۔

ہم لوگ والد صاحب کے ہمراہ نظام پور پہنچے ۔ والد صاحب دو چار دنوں میں واپس چلے گئے ۔ ہمیں قریبی گاؤں بجویس جہاں ایک مڈل سکول تھا داخل کرا دیا گیا ۔ یہاں قیام کے دوران میں دیہی زندگی کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ۔ گو ہم طالب علم تو تیسری جماعت ہی کے تھے مگر سوجھ بوجھ خاصی تھی ۔ سوجھ بوجھ خاصی ہونے کی وجہ یہ تھی کہ والد صاحب خود مطالعہ کے شوقین تھے اور جب بھی وہ لائبریری جاتے تو ہمیں اپنے ساتھ لے جاتے ۔ ہم لائبریری میں جہاں بچوں کے رسائل پڑھتے وہاں علامہ اقبال کا اردو کلام خصوصاً بانگِ درا بھی پڑھتے ۔ اس میں جتنی بھی نظمیں تھیں ہم دونوں بہن بھائیوں کو ازبر تھیں ۔ والد صاحب ہمیشہ ہمارے اضافی مطالعہ کو پسند فرماتے ۔ ۴۷-۴۶ کا نظام پور بہت بوسیدہ تھا ۔ ہر سال طغیانی کی وجہ سے خاصا نقصان ہوتا ۔ پانی لوگوں کے گھروں میں داخل ہو جاتا ۔ کچے مکانوں میں دراڑیں پڑ جاتیں ۔ آمد و رفت کے رستے مسدود ہو جاتے ، کھیت کھلیان تباہ ہو جاتے ۔ اہلِ دیہہ اللہ کا شکر بجالاتے کہ چلو جان تو بچی ۔

مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ ہم ایسے ہی موسم میں نظام پور آئے ۔ سیلاب آیا ہوا تھا ۔ پکی سڑک جو کپورتھلہ کو ہمیرا اسٹیشن سے جہاں چینی کا کارخانہ تھا ، ملاتی تھی کے دونوں جانب ہر طرف پانی ہی پانی تھا ۔ اب سوال پیدا ہوا کہ گھر تک کیسے جائیں ۔ والد صاحب نے ہمیں سڑک کے کنارے چھوڑا اور پانی میں کود گئے کہ تیر کر گاؤں تک جائیں اور پھر انتظام ہو کہ ہم سب یعنی والدہ اور باقی بھائی بہن گاؤں جا سکیں ۔ والد صاحب غضب کے تیراک تھے ۔ عام تیراکی ، کھڑے کھڑے تیرنا ، الٹے لیٹ کر تیرنا اور نہ جانے کتنے قسم کی

تیراکی جانتے تھے۔ وہ تقریباً وسط میں جا کر رکے اور آواز لگائی جس کے جواب میں گاؤں سے کچھ آدمی آئے۔ طے ہوا کہ ابھی تو قریبی گاؤں دھمہ چلے جائیں جہاں ہماری پھوپھی کا گھر تھا۔ بعد میں اگلے دن کشتی کا انتظام کیا جائے گا۔ اگلے دن کشتی کا انتظام تو نہ ہوا البتہ ایک بڑے کڑاہے میں جس میں گُڑ بنایا جاتا ہے بٹھا کر باری باری گاؤں تک پہنچایا گیا۔ یہ تھی وہاں کی زندگی۔ بہر حال لوگ اسی میں مطمئن تھے۔

بات ہو رہی تھی ۱۹۴۶ء کی جب والد صاحب نے ہم سب کو نظام پور (کپورتھلہ) پہنچایا اور خود واپس چلے گئے۔ صوبہ بہار (انڈیا) میں والد صاحب مسلمان نوجوانوں کی قیادت کر رہے تھے۔ ہمارا گھر چونکہ خالی تھا لہذا اسے مرکزی حیثیت مل گئی۔ وہاں لڑنے بھڑنے کے آداب سکھائے جاتے۔ دستی بم، بانس بم وغیرہ بنائے جاتے تاکہ وقت پڑنے پر مقابلہ کیا جا سکے۔

ہمارے نظام پور جانے سے پہلے کی بات ہے، عید قرباں کی شام تھی، مغرب کی اذانیں ہو چکی تھیں، ہم سب گھر والے کھانا کھانے کے لیے بیٹھے ہی تھے کہ سنکھ (ایک آلہ جس سے سادھو آواز پیدا کرتے ہیں) بجنے کی آواز آئی۔ والد صاحب نے نوالہ توڑا ہی تھا کہ ہاتھ رک گئے اور بولے ''حملہ ہو گیا'' یعنی ہندوؤں نے محلے پر حملہ کر دیا ہے۔ فوراً ہدایات جاری کیں کہ ''اسد یہ خنجر تم اپنے ہاتھ میں رکھو اور دروازے پر کھڑے ہو جاؤ، جس کو میں مار کر نیچے گرا دوں تم اُسے خنجر مارو اور گھر کے اندر داخل نہ ہونے دو۔ والدہ کو کہا ہمت سے کام لو، چھت پر چلی جاؤ اور اگر دشمن گھر میں گھس آئیں اور تم اپنے آپ کو محفوظ نہ جانو تو صحن میں جو کنواں ہے اُس میں چھلانگ مار کر اپنی عزت کی حفاظت کرنا۔ اسی وقت محلے کی بے شمار خواتین اور بچے ہمارے گھر اکٹھے ہو گئے۔ مرد حضرات باہر نکل آئے۔ جس کے پاس جو ہتھیار تھا وہ اس کے سہارے مقابلے کو چلا آیا۔ بہت سے نہتے تھے۔ میرے والد صاحب کے دونوں ہاتھوں میں دو پستول تھے اور میں خنجر سے مسلح گھر کی حفاظت پر مامور۔ میں اُس وقت تیسری جماعت کا طالب علم تھا۔ عمر سات یا آٹھ سال۔

Marfat.com

بہر حال وہ سب کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ ایک طرف سے ''جے ہند'' کا نعرہ لگ رہا تھا اور دوسری طرف سے ''اللہ اکبر'' کا۔ ہندوؤں کا جتھہ ایک طرف اور دوسری طرف چند مسلمان جن کی کل تعداد بیس بائیس رہی ہوگی۔ مگر جوشِ ایمانی کا یہ عالم کہ للکار رہے ہیں۔ نعرۂ تکبیر بلند کر رہے ہیں۔ دونوں کے درمیان تقریباً سو میٹر کا فاصلہ ہوگا۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ ہندو آگے آنے سے کترا رہے تھے۔ وہ رات عجیب تھی۔ گھر میں تِل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ بچوں کی چیخ پکار جاری تھی۔ خواتین سجدہ ریز تھیں۔ جس کا جدھر منہ تھا وہیں سربسجود، دعائیں مانگی جا رہی تھیں۔ سرخ روشنی کا ایک گولہ تھا جو ہندوؤں کی طرف بہت بلندی پر چمک رہا تھا۔ وہ اشارہ تھا توقف کا۔ اگر وہ سبز ہو جاتا تو ہندو حملہ کر دیتے۔ رات گزر رہی تھی۔ نعرے لگ رہے تھے۔ رات کے بارہ بجے، پھر ایک بجا، حتیٰ کہ اذانوں کا وقت ہوا۔ تمام مسلمانوں کا ایک ہنگامی اجلاس وہیں چوک پر ہوا اور طے ہوا کہ فوراً مسجدوں میں اذانیں دی جائیں کہ یہ تاثر ہو کہ مسلمان ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں اور کسی خوف میں مبتلا نہیں۔ بعد میں والد صاحب نے بتایا کہ یہ بھی فیصلہ ہوا تھا کہ صبح ہر مسلمان اپنے معمول کے کام کاج پر جائے اور ظاہر کرے کہ وہ کسی خوف میں مبتلا نہیں۔ لہٰذا وہ لوگ جو صبح کی سیر کو جاتے تھے وہ سیر کو نکلے، جو دکانوں پر کام کرتے تھے وہ دکانوں پر پہنچے، دفتر کے لوگ دفتر پہنچے، جیسے رات کچھ ہوا ہی نہیں۔ اس سے ہندوؤں پر اعصابی دباؤ پڑا۔ دن کو ہندو پوچھ رہے تھے کہ بھئی تم لوگ اتنے مطمئن کیوں ہو؟ کیا وہ تمھاری مدد کو آنے والی فوج ابھی موجود ہے؟

یہ بھی ایک دلچسپ مظہر ہے۔ ہوا یوں کہ مسلمانوں کا محلّہ پہاڑ کی جانب تھا۔ جب نعرہ تکبیر بلند ہوتا تو وہ نعرہ پہاڑی سے ٹکرانے کے بعد دوبارہ لوٹ کر آتا۔ معلوم ایسے ہوتا کہ محلے کے پس منظر میں امدادی فوج بیٹھی ہے کہ جونہی ہندو آگے بڑھیں انھیں دبوچ لیا جائے۔ یہ تھی تائید ایزدی جو گونج اور بازگشت کی صورت میں مسلمانوں کی حفاظت کا باعث بنی۔

آج جب کبھی میں سوچتا ہوں اور ہندوؤں کے حملے کے دوران میں والد صاحب کے کردار کا جائزہ لیتا ہوں تو حیران ہوتا ہوں کہ وہ اعصابی طور پر کتنے مضبوط تھے ۔ کتنے والد ایسے ہونگے جو سات آٹھ سال کے بیٹے کے ہاتھ میں خنجر تھما کر بہنوں ، ماؤں اور بیٹیوں کی حفاظت پر مامور کرتے ہونگے ۔ ان کی وہ ہدایات جو والدہ کو دیں حفاظتِ خود اختیاری اور عزت و ناموس کی حفاظت کے لیے قربانی کی تلقین ، یہ باتیں معمولی نہیں ہیں ۔ ایک راسخ العقیدہ مسلمان ہی سے ایسی باتیں متوقع ہوسکتی ہیں ۔

جب پاکستان کا قیام عمل میں آنے کے دن ہوئے اور طے پایا کہ جہاں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے وہ مسلم سٹیٹ میں شامل ہو اور جہاں ہندوؤں کی تعداد زیادہ ہے وہ ہندوستان میں شمولیت اختیار کریں ۔ اس وقت مشرقی پنجاب میں بھی فسادات ہونے شروع ہوگئے تو ہماری نانی جان کو جو بھاگل پور (صوبہ بہار ۔ انڈیا) میں تھیں ہماری بہت فکر ہوئی ۔ اُنھوں نے ہمیں رقم بھیجی کہ فوراً واپس آ جاؤ ۔ سوال پیدا ہوا کہ سب کو ساتھ لے کر کون جائے گا ؟ بڑی ردّ و کد کے بعد ہمارے دادا حافظ محمد عبداللہؒ اس بات پر راضی ہوئے کہ وہ ہمارے چچا منظور احمد صاحب کو ہمارے ساتھ حفاظت کے طور پر بھیجیں ۔ ہمارے یہ چچا ان دنوں رندھیر کالج کپورتھلہ میں سیکنڈ ایئر کے طالب علم تھے اور میٹرک کے امتحان میں ریاست کپورتھلہ میں اول رہے تھے ۔ اس پر بہت سی مخالفت کا سامنا بھی کرنا پڑا ۔ مگر آخرِ کار دادا جان نے خطرات کو محسوس کرنے کے باوجود چچا منظور احمد صاحب کو ہمارے ساتھ بھیج دیا ۔

ہم صاحب گنج (صوبہ بہار) پہنچے اور پنجاب میں فسادات پھوٹ پڑے ۔ پاکستان بنا ۔ ہندوستان ہر جگہ تہ و بالا ہوگیا ۔ مشرقی پنجاب میں خون کی جو ندیاں بہائی گئیں وہ تاریخ کا المناک باب ہے ۔

صاحب گنج (صوبہ بہار انڈیا) میں ہمارے محلے میں جو ہندو آباد تھے وہ کہتے : " اوئے مُسلے ! بابا جان سے کہو پاکستان نہ جائیں وہاں تو روٹی بھی نہیں ملے گی ۔ "

میں نے والد صاحب کی زبانی سنا کہ پاکستان بن گیا ہے اور ہم سب پاکستان جا رہے ہیں۔

والد صاحب نے ایک نہایت ہی شفیق، بردبار اور متین حافظِ قرآن کی خدمات سے ہمیں فیضیاب ہونے کا موقع فراہم کر رکھا تھا۔ میں، میری بڑی بہن روشن آرا اور چھوٹی بہن فاروقہ بیگم حافظ صاحب سے قرآن مجید کا درس لیا کرتے تھے۔ جب ہم تیسری جماعت میں تھے تو قرآن مجید کی تلاوت مکمل کر لی۔ بڑی بہن نے مجھ سے بھی پہلے ختمِ قرآن کیا اور چھوٹی بہن فاروقہ بیگم ابھی تیسرے ہی پارے میں تھیں کہ پاکستان بن جانے کی نوید سنی۔ پاکستان جانا ضروری تھا کہ اس کے لیے والد صاحب تن من دھن سے کوشاں رہے تھے۔

ہمارے والد صاحب کے ایک دوست تھے جن کا نام حبیب احمد تھا۔ وہ عرفِ عام میں حَبو میاں کہلاتے تھے۔ اچھے کھاتے پیتے آدمی تھے۔ پاکستان بننے کے بعد وہ مشرقی پاکستان میں ٹرانسپورٹ کا کاروبار کرتے تھے۔ انتہائی نیک اور دوست دار آدمی تھے۔ ۱۹۷۱ء میں سقوط ڈھاکہ کے ہنگامے میں آپ نے جامِ شہادت نوش کیا۔ والد صاحب نے اور والد صاحب کے ہم کار چچا شبیر احمد ہمدانی نے ان سے کچھ رقم بطور قرضِ حسنہ لی اور پاکستان جانے کے لیے ٹکٹوں وغیرہ کا انتظام کیا۔ گو کہ ریلوے ملازم تھے ریلوے پاس وغیرہ بھی ملا مگر صاحب گنج (بہار۔ انڈیا) سے کلکتہ، کلکتے سے بمبئی اور وہاں سے کراچی کا بحری سفر متقاضی تھا کہ کچھ زادِ راہ ساتھ ہو۔ گھر کا تمام سامان باندھا گیا۔ بکسے پیٹیاں تیار ہوئے۔ ریلوے کی گڈس ویگن میں ہمارا اور چچا شبیر احمد ہمدانی کا سامان بک ہوا۔ یہ سامان لاہور کے لیے بھیجا گیا۔ پنجاب میں اس وقت فسادات زوروں پر تھے، نہ جان محفوظ تھی نہ مال۔ اس لیے بمبئی سے کراچی کا سفر اختیار کیا گیا۔ اس وقت ہندوستان بھر میں ہر طرف خون بکھر رہا تھا اور نفسا نفسی کا عالم تھا۔ ایسے ہی حالات میں ہم سب بذریعہ ریل گاڑی بمبئی پہنچے۔ جس جہاز کے لیے ٹکٹ خریدے گئے تھے وہ عازمِ کراچی ہو چکا تھا

Marfat.com

۔ایک ماہ بعد دوسرا جہاز روانہ ہونا تھا۔لہذا ہمیں حاجیوں کے لیے بنی ہوئی انتظار گاہ میں قیام کرنا پڑا۔ یہ ایک تین منزلہ عمارت تھی جو خاصی وسیع تھی لیکن سب کی سب کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ مسافر زیادہ تھے اور بحری جہاز کم۔لہذا ہمیں بمبئی میں ایک ماہ رکنا پڑا۔ ایک ایک دن بھاری تھا اور تفکرات سے پُر۔ اس سفر میں میرے سوتیلے بھائی سید محمد امین الدین بھی ساتھ تھے۔ وہ ابھی نوجوانی کے دور سے گزر رہے تھے۔

بمبئی کی اس انتظار گاہ میں والد صاحبؒ کو بخار نے آ لیا۔درد وغیرہ سے وقتی طور پر آرام آ گیا اور جس دن کراچی کے لیے جہاز پر سوار ہونا تھا اس دن ان کی طبیعت زیادہ ٹھیک نہ تھی۔ بندرگاہ کا عجب سماں تھا۔ ہر طرف انسانوں کا سیلاب ہی سیلاب تھا۔ ہر شخص متمنی تھا کہ وہ پہلے جہاز میں سوار ہو جائے۔ اس دھکم پیل میں کتنے آدمی کچلے گئے، کتنی خواتین اور کتنے بچے جہاز کی سیڑھیوں سے گرے اور سمندر کی نذر ہو گئے۔عجب دلخراش مناظر تھے۔ یہ مناظر تو میری آنکھوں کے سامنے آج بھی واضح ہیں۔گو کہ میں تیسری یا چوتھی جماعت کا طالب علم تھا مگر یہ سب باتیں آج بھی ''مجھے یاد ہے وہ ذرا ذرا''۔ بھائی سید امین الدین نے چھوٹے بھائی طارق علی احمد اور بہن زاہدہ کو کاندھوں پر اٹھا رکھا تھا۔ مجمع کا دباؤ اتنا تھا کہ سانس لینا دوبھر تھا۔ بہر حال ہم سب جہاز کے عرشے تک پہنچ گئے۔ مگر والد صاحب ابھی ساحل پر ہی تھے کہ جہاز کی سیڑھیاں کھینچ لی گئیں۔ ہلکا پھلکا سرد موسم اور ہلکا پھلکا بخار۔ایک چادر میں پچاس روپے ڈال کر اور چادر کو گیند بنا کر پوری قوت سے ساحل پر پھینکا گیا۔مگر واسے قسمت چادر مع رقم کے سمندر برد ہو گئی اور جہاز نے لنگر اٹھا لیا۔ والدہ صاحبہ اور ہم سب بے انتہا پریشان، مگر کیا کیا جائے۔ چچا شبیر احمد ہمدانی نے حوصلہ دیا اور بتایا کہ وہ پرسوں کراچی پہنچ جائیں گے۔جس جہاز میں ہم روانہ ہوئے وہ یونانی جہاز تھا۔ نام تھا شیرالا۔اس کی گنجائش سے کہیں زیادہ افراد سوار ہو گئے۔اس وقت جو بات شنید میں آئی اس کے مطابق تین ہزار افراد سوار ہو گئے تھے۔

تیسرے دن ہم لوگ کراچی پہنچ گئے۔اسی دن دو گھنٹوں کے توقف سے والد صاحب

Marfat.com

بھی کراچی پہنچ گئے ۔ ان کا جہاز ایکسپریس تھا ۔ وہ سخت بیمار تھے ۔ بندرگاہ پر ہی ڈاکٹر کو بلا کر دکھایا گیا ۔ دوا وغیرہ دی گئی ۔ مجھے صحیح طور پر تاریخ یاد نہیں ۔ سردی تھی ، والد بیمار اور ہم سب پریشان ۔ نیا ملک ، نیا شہر ۔ والد صاحب کی جائے تعیناتی کے لیے لاہور کا سفر ، رہائش کی جگہ کا فقدان ، کچھ نہ پوچھیے ۔ دو دن کراچی کی بندرگاہ پر ہی گزر گئے اور پھر طے ہوا کہ ملتان رپورٹ کرنا ہے ، ملتان پہنچے ۔ ریلوے سٹیشن کے قریب ایک ہوٹل عزیز ہوٹل میں قیام ہوا ۔ چچا شبیر احمد ہمدانی کی پوسٹنگ تو ملتان میں ہو گئی اور والد صاحب کو کہا گیا کہ لاہور جائیں ۔ والد صاحب بیماری کی حالت میں ہی لاہور تشریف لے گئے ۔ وہاں چند دن قیام کے بعد اپنے تعیناتی کے احکام برائے منٹگمری (موجودہ ساہیوال) لائے ۔ ہم سب منٹگمری پہنچے ۔ والد صاحب نے حاضری رپورٹ اسٹیشن ماسٹر کو دی ۔ والد صاحب بطور ہیڈ ٹکٹ کلکٹر متعین ہوئے ۔ رہائشی کوارٹر ندارد ۔ بعد میں والد صاحب بتاتے تھے کہ منٹگمری میں عملے کا رویہ درست نہ تھا ۔ کئی ماہ سٹیشن کے ویٹنگ روم میں گزارے ۔ آخرِ کار درجہ چہارم کے ملازمین کے لیے مختص ایک کوارٹر جو ایک کمرے اور ایک مختصر سے برآمدے پر مشتمل تھا الاٹ ہوا اور میرے بیمار والد بال بچوں سمیت اس میں منتقل ہو گئے ۔ والد صاحب کی بیماری خطرناک صورت اختیار کرتی گئی ۔ مسلسل بخار ، کھانسی اور بلغم کا تواتر ۔ کبھی کسی حکیم کے پاس اور کبھی سرکاری ڈاکٹر کے پاس ۔ بچوں کی تعلیم پس پشت چلی گئی ۔ نیا وطن ، نئی جگہ ۔ کوئی عزیز رشتہ دار موجود نہیں ۔ پتہ نہیں کہ رشتہ دار وطن آئے ہیں یا نشانۂ قتل و غارت بن گئے ۔ ریلوے کے ڈاکٹر صاحب کو بلایا جاتا ، وہ اپنی معذوریاں بیان کرتا ۔ ہم بہن بھائیوں کو تو خبر ہی نہ ہوتی کہ والدین کس کرب سے گزر رہے ہیں ۔

میری والدہ بہت صابرہ و شاکرہ خاتون تھیں ، ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لانے والی ۔ زندگی کے معمولات بہت مرتب تھے ۔ گھر کو صاف ستھرا رکھنا ، بچوں کو نہلانا دھلانا ، ان کے کپڑوں کو صاف رکھنا ، گھر داری میں سلیقہ ، یہ سب کچھ والدہ صاحبہ کے قرینے اور سلیقے کی وجہ سے تھا ۔ میرے والدین پان کھاتے تھے ۔ پان کے بغیر انھیں تشنگی کا احساس

رہتا، پاندان زندہ رہتا، کتھا، چونا، چھالیہ، تمباکو اور پان کے پتے موجود رہتے۔ اگر کبھی پان کے پتے ختم ہو گئے تو ہمیں فوراً حکم ہوتا کہ جاؤ اور جا کر لے آؤ۔ کئی بار ایسا ہوا کہ سردیوں کی گہری رات ہے، ہم سب سو رہے ہیں، والد صاحب کو پان کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے اور پاندان میں پان ندارد۔ بیماری کی وجہ سے چلنا پھرنا مشکل ہے مگر قدم قدم چلتے، بیٹھتے، دم لیتے سو گز کا فاصلہ آدھ گھنٹے میں طے کرتے پان لے آتے۔ کہا کرتے کہ ''بھئی پان کے معاملے میں ہماری قوت ارادی جواب دے جاتی ہے۔''

جب ہم پاکستان آئے اس وقت میں چوتھی جماعت کا طالب علم تھا۔ ایک دن میں نے اپنے پڑوسی طالب علم سے کہا کہ کل جب تم سکول جانے لگو تو مجھے بھی اپنے ہمراہ لے چلنا۔ والدہ صاحبہ سے ذکر کیا، کہنے لگیں کہ ''بھئی انجانا شہر ہے، انجانے لوگ ہیں، سوچ لو۔'' ہم نے کہا کہ ''پڑوس کا لڑکا جاتا ہے، میں اس کے ساتھ جاؤں گا۔'' اجازت مل گئی۔ اسکول گئے۔ اسکول کا نام تھا ایم سی پرائمری اسکول غلہ منڈی منٹگمری۔ ریلوے سٹیشن کے پار جانا پڑتا۔ استاد محترم نے میرا انٹرویو کیا اور کچھ سوالات حل کرنے کو دیے۔ پاس تو ہم ہو گئے لیکن استاد محترم نے کہا کہ پچھلا سکول لیونگ سرٹیفکیٹ لائے ہو؟ وہ تو ہمارے پاس تھا نہیں۔ استاد محترم نے فرمایا کہ چلو کوئی بات نہیں۔ انھوں نے میرے سارے کوائف خود درج کئے اور کہا تم ابھی چھوٹے ہو، ہم نے تمھیں تیسری جماعت میں داخل کر لیا ہے۔

والد صاحب کو اطلاع دی کہ ہم اسکول میں داخل ہو گئے ہیں۔ بہت خوش ہوئے۔ پڑھنے لکھنے کی عادت تو شروع سے ہی تھی۔ زبان کی نشست و برخاست گھر ہی میں درست ہو جاتی۔ دو چار دنوں میں استاد محترم نے ہمیں کلاس کا مانیٹر بنا دیا۔

جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا کہ والد صاحب کی علالت بہت گمبھیر صورت اختیار کر چکی تھی۔ ڈاکٹر، حکیم، وید سب یہی کہتے کہ ''کوئی دم کا مہمان ہے۔'' والد صاحب کی قوتِ ارادی کا یہ عالم کہ کہتے ''یہ ڈاکٹر اور حکیم میرے مرض کی تشخیص نہیں کر سکے۔ انشاء اللہ

Marfat.com

صحت یاب ہو جاؤں گا۔ اُن دنوں Streptomysene نئی نئی مارکیٹ میں آئی تھی۔ بڑی محتاط حمل ورسل تھی۔ تھرماس میں ٹھنڈی کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجایا جاتا اور قیمت اُس وقت ۸۰ روپے یا ۱۰۰ روپے تھی۔ حسبِ توفیق ٹیکے بھی لگتے رہے اور حکیموں کا علاج بھی جاری رہا۔ یہ باتیں ہیں ۱۹۴۹ء کے ابتدائی مہینوں کی جب مہاجروں کے قافلے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو رہے تھے۔ منٹگمری ریلوے اسٹیشن کے باہر نہر لوئر باری دوآب کے کناروں پر لوگ کھلے آسمان تلے راتیں گزار رہے تھے۔ نفسانفسی کا عالم تھا۔ لوگوں کے چہرے دورِ ابتلا کی خبر دیتے تھے۔ ہر آنکھ کے دریچے میں ظلم وستم اور لُٹ جانے کے نقوش مرتسم تھے۔

سردیوں کی آمد آمد تھی۔ گھر کے باہر تیسرے درجے میں سفر کرنے والوں کے لیے انتظار گاہ میں لوگ بیٹھے تھے۔ صبح کا وقت تھا۔ ایک بنچ پر ایک صورت بزرگ کھیس میں لپٹے بیٹھے تھے۔ قریب سے گزرا تو احساس ہوا کہ صورت تو اپنے دادا جان سے ملتی جُلتی ہے۔ انھوں نے دیکھا تو مجھے نام لے کر پکارا۔ یہ میرے دادا جان حافظ محمد عبداللہ ہی تھے جو لائل پور (فیصل آباد) سے پیدل سفر کر کے منٹگمری پہنچے تھے۔ چونکہ وہ رات دیر سے پہنچے تھے اس لیے انھوں نے صبح ہونے کا انتظار کیا۔ یہ کتنی بڑی سوچ اور قربانی تھی۔ وہ پڑھے لکھے، حافظِ قرآن اور کلامِ اقبال کے شیدائی تھے۔ ریاست کپورتھلہ پنجاب کے دور افتادہ گاؤں نظام پور سے قافلے کے ساتھ اپنی تمام زمینیں، باغات اور گھر چھوڑ کر پا پیادہ پاکستان پہنچے تھے۔ ہمیں معلوم نہیں تھا ہمارے ددھیالی رشتہ دار کہاں ہیں، ان پر کون سی قیامت گزر چکی ہے۔ وہ پاکستان آ سکے ہیں یا اس کی مٹی میں جذب ہو چکے ہیں۔ یہی حال ہمارے دادا جان کا تھا۔ مگر وہ عاقل تھے، معلومات حاصل کر سکتے تھے۔ نہ جانے انھیں کیسے معلوم ہوا کہ والد صاحب بچوں سمیت منٹگمری (ساہیوال) میں شدید بیماری کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ بے سروسامانی میں وہ پیدل ہی اولاد کی محبت کے سہارے لائل پور (فیصل آباد) سے منٹگمری (ساہیوال) پہنچے اور صبح کے انتظار میں مسافر خانے میں ایک بنچ

Marfat.com

پر سوچوں کے تانے بانے بنتے رہے ۔ میں انھیں گھر لے گیا ۔ والد صاحب بہت خوش ہوئے ۔ اور دادا جان ہماری حالتِ زار اور والد صاحب کی علالت پر بہت ملول ہوئے ۔ اس کے بعد دادا جان کئی بار آئے اور گئے اور اس طرح دوسرے اقرباء سے ملنے جلنے کا سلسلہ شروع ہوا ۔

کاتبِ تقدیر نے لوحِ محفوظ میں کیا لکھا ہے اس کا پتہ نہیں تھا مگر زیست و فنا کے درمیان ایک آویزش تھی جس سے والد صاحب دوچار تھے ۔ مگر تھے پُرعزم ۔ میری چھوٹی بہن فاروقہ بیگم جس کی عمر چھ سات سال ہوگی ، والد صاحب کی زیادہ خدمت کرتی تھی ۔ بیماری کا یہ تسلسل تین سال تک شدت کے ساتھ رہا ۔ اس دوران میں ، میں نے تیسری سے پانچویں کلاس تک کا سفر کیا ۔ چھوٹے بھائی طارق علی احمد نے پہلی جماعت پاس کر کے دوسری جماعت میں قدم رکھا ۔ اسی دوران والد صاحب نے ہماری بڑی بہن روشن آرا کی شادی کردی حالانکہ ابھی ان کی عمر ۱۲ یا ۱۳ برس تھی ۔

والد صاحب بیماری سے قدرے صحت یاب ہوئے تو ان کا تبادلہ شورکوٹ روڈ کر دیا گیا ۔ شورکوٹ منتقل ہونے سے قبل والد صاحب کے رفقائے کار نے انھیں الوداعی پارٹی دی اور تصویر کشی بھی ہوئی ۔ چند یادگار تصاویر اب بھی ہمارے پاس البم میں موجود ہیں ۔

شورکوٹ روڈ بھی عجب جگہ تھی ۔ بجلی ندارد ۔ ریلوے اسٹیشن اور اس کے اردگرد ملحقہ علاقے اور بازار میں بھی بجلی نہ تھی ۔ اسٹیشن پر دو تین کھمبے ایستادہ تھے جن میں فانوس لٹکتے تھے ۔ ان فانوسوں میں مٹی کا تیل جلتا تھا ۔ سرِ شام بتی والا آتا اور فانوس کو صاف کرتا ، تیل ڈالتا اور بعد مغرب اسے روشن کرتا ۔ یہ فانوس بھی اس اسٹیشن کے حسن میں اضافے کا باعث تھے ۔ پلیٹ فارم باہر کی جگہ اور دفاتر سے اونچا تھا ۔ گاڑی سے اتر کر پلیٹ فارم پر آیئے ۔ ٹکٹ کلکٹر نشیب میں کھڑے ہو کر ٹکٹ وصول کرتا ۔ اسٹیشن کے باہر دائیں ہاتھ پر ریلوے اسٹاف کوارٹر تھے ۔ سامنے بازار کو رستہ جاتا تھا ۔

والد صاحب ہندوستان میں رہتے ہوئے پاکستان مسلم لیگ کے لیے ہمیشہ کوشاں

Marfat.com

رہتے ۔ ہندوؤں کے عزائم کو سامنے رکھتے ہوئے مسلمان نوجوانوں کی عسکری تربیت کرتے ، اسلحہ سازی اور استعمال کی تربیت بھی ہمارے گھر میں ہوتی تھی ۔ اس لیے حکومتی ایجنسیوں کی نظر میں رہتے تھے ۔ شورکوٹ میں ایک دن انٹیلی جنس کے کچھ لوگ آئے اور اردگرد کے لوگوں اور والد صاحب کے ساتھیوں سے والد صاحب کی دلچسپیوں اور حرکات و سکنات کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور آخر میں والد صاحب سے ملے ۔ والد صاحب ہنس پڑے اور انھیں بتایا کہ بھئی ہندوستان میں ہماری فعالیات پاکستان کے حصول کے لیے اور مسلم لیگ کے پروگرام کے تحت تھیں ۔ اب جو شخص گھر بناتا ہے وہ خود اسے کیسے تباہ کرسکتا ہے ۔ آپ لوگ مطمئن رہیں اور حکومت کو بتائیں کہ ہم ایک محب وطن پاکستانی ہیں ۔ اس کی تعمیر میں حصہ لیں گے ۔ تخریب کا تو سوچ بھی نہیں سکتے ۔ اس کے بعد انٹیلی جنس والوں نے کبھی تنگ نہ کیا ۔

شورکوٹ میں قیام کے دوران میں والد صاحب دنیاوی آلائشوں سے مبرا زندگی بسر کررہے تھے ۔ ایمان کی پختگی قائم تھی ۔ چنانچہ وقت قلندری میں گزر رہا تھا ۔ شورکوٹ میں زندگی ویسے بھی سادہ تھی ۔ پرائمری اسکول ریلوے کے ایک کوارٹر میں قائم تھا ۔ چھوٹے بھائی طارق علی احمد کو اسی سکول میں دوسری جماعت میں داخل کرا دیا گیا ۔ کمالیہ کی طرف پانچ میل کے فاصلے پر ایک گاؤں تھا ۔ ۳۲۸ گ ب ۔ مجھے وہیں داخلہ لینا پڑا ۔ وہاں ایک مڈل اسکول قائم تھا ۔ تمام راستے ریگزار اور ریت کے ٹیلے ۔ راہ میں صرف ایک درخت ملتا تھا وہ بھی کیکر کا ۔ البتہ نہری پانی کی ایک جُو رواں دواں رہتی اور ہم اسی کے کنارے کنارے وقت پر اسکول پہنچ جاتے ۔ والد صاحب کے لیے یہ ایک تکلیف دہ امر تو ہوگا کہ پانچویں جماعت کا ان کا بیٹا ضخیم بستہ اٹھائے ویرانوں سے گزرتا پانچ میل کا فاصلہ پیدل طے کرے ۔ مگر اللہ کے بھروسے ساڑھے تین سال کا عرصہ خیر و عافیت سے گزر گیا ۔ اسی دوران میں ہم پانچویں سے آٹھویں جماعت کا سفر بھی آسانی سے طے کر گئے ۔ اللہ تعالیٰ مہربان ہوں ، اساتذہ محبت اور خلوص کا مظہر ہوں اور طالب علم لگن سے کام کرے تو

Marfat.com

ہر مشکل اور ہر رکاوٹ دور ہو جاتی ہے ۔ ہم ہمیشہ اول رہے یا دوم ۔ تیسری پوزیشن کی کبھی نوبت نہیں آئی ۔

شورکوٹ روڈ سے شورکوٹ جائیں تو آغاز ہی میں ایک بزرگ کا مزار آتا ہے ۔ جن دنوں والد صاحب شورکوٹ میں تھے یہ بزرگ حیات تھے ۔ لوگ انھیں بابا لاہوری شاہ کے نام سے یاد کرتے تھے ۔ پورے شورکوٹ کا پانی کھارا جبکہ بابا لاہوری شاہؒ کے کنویں کا پانی میٹھا تھا ۔ اُن کے مریدوں میں ایک خاص بات تھی کہ وہ ہر وقت خاموش رہتے ۔ دوسری صفت یہ تھی کہ حضرت بابا لاہوری شاہؒ کے کسی مرید کو کبھی بھیک مانگتے نہیں دیکھا گیا ۔ اُس وقت جھنگ کے ڈپٹی کمشنر قدرت اللہ شہاب تھے جو بڑے فقیر دوست تھے اور بابا لاہوری شاہؒ کا بڑا احترام کرتے تھے ۔ کچھ گمراہ لوگوں نے حضرت بابا لاہوری شاہؒ کو پریشان کرنے کی کوشش کی لیکن قدرت اللہ شہاب آڑے آئے اور بابا صاحب کا ساتھ دیا ۔ حضرت بابا صاحب نے شہاب صاحب کو دعا دی اور شہاب صاحب وہاں سے براہ راست صدر مملکت کے سیکرٹری مقرر ہو کر چلے گئے ۔ میرے والد صاحب قبلہؒ کے بابا لاہوری شاہؒ کے ساتھ بڑے اچھے تعلقات تھے اور وہ ان کی خدمت میں جاتے رہتے تھے ۔ واضح ہو کہ آج کل حضرت بابا لاہوری شاہؒ کا میلہ بڑے زور شور سے منایا جاتا ہے اور اس دن حکومت کی طرف سے مقامی چھٹی ہوتی ہے ۔

شورکوٹ قیام کے دوران والد صاحب کے ایک اور بزرگ ''بابا دُڑکی شاہ'' کے ساتھ اچھے تعلقات استوار ہوئے ۔ بابا دڑکی شاہ انتہائی چاق و چوبند اور بہت تیز رفتار تھے ۔ یہی وجہ ہے لوگوں نے انھیں دڑکی شاہ کہنا شروع کر دیا جبکہ ان کا اصل اسم گرامی کچھ اور تھا ۔ یہ بزرگ اکثر و بیشتر اول درجے میں سفر کیا کرتے تھے ۔ بظاہر وہ کبھی ریلوے ٹکٹ خریدتے ہوئے نہیں دیکھے گئے ۔ ریلوے حکام نے بارہا کوششیں کیں کہ انھیں بلا ٹکٹ سفر کرتے ہوئے پکڑیں مگر ہر بار ایسا ہوا کہ انھوں نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور منزل کا ٹکٹ پیش کر دیا ۔ بقول والد صاحب اُن کے پاس ہر درجے کا ٹکٹ موجود ہوتا

۔حضرت والد صاحب فرماتے کہ جنّات اُن کے مرید تھے۔

حضرت والد صاحب کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔تاریخِ اسلام پر مکمل عبور تھا۔کلامِ اقبال ازبر تھا۔موقع محل کی مناسبت سے برمحل اور برجستہ شعر پڑھنے پر قادر تھے۔واقعہ کربلا کی جزئیات سے واقف تھے۔اُن کے مطالعے میں آنے والی کتابیں ہماری نگاہوں سے بھی گزرتیں۔پڑوس میں ایک پڑھی لکھی خاتون رہتی تھیں۔اُن کے پاس داستانِ امیرحمزہ کی دو ضخیم جلدیں موجود تھیں۔کم و بیش ہزار صفحات پر مشتمل۔ہم نے ان جلدوں کو دو تین دنوں میں ختم کر دیا۔والد صاحب کورس کی کتابوں کے علاوہ کتابیں پڑھنے پر ہماری حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ایک دفعہ انھوں نے فرمایا چونکہ آپ لوگوں کے امتحانی نتائج اچھے ہیں اس لیے کورس کے علاوہ کتابیں پڑھنے سے کیوں منع کروں۔

ہم سب ابھی شورکوٹ روڈ ہی میں تھے کہ دو اہم واقعات ہوئے۔پہلا واقعہ ہے قادیانی فرقے کے خلاف پاکستان بھر میں مہم چلی۔تب والد صاحب نے بتایا کہ قادیانی کون ہیں؟ اور مسلمانوں سے کیونکر مختلف ہیں۔دوسرا واقعہ قائدِ ملت لیاقت علی خان کی شہادت۔پاکستان بھر میں سراسیمگی پھیل گئی تھی۔والد صاحب نے اسے نیک شگون قرار نہیں دیا اور اس واقعے کو پاکستان کی سیاست اور ترقی کی راہ میں بہت بڑی سازش قرار دیا۔

۱۹۵۲ء میں والد صاحب کا تبادلہ ملتان ہوگیا۔حسبِ دستور سامان باندھا گیا۔ملتان چھاؤنی ریلوے اسٹیشن سے ملحق محلّہ چاہ بوہڑ والہ کی گلی نمبر ۳ میں ایک چھوٹا سا کچا مکان کرائے پر لیا۔بجلی ندارد۔مالک مکان لالہ شفیع صاحب والد صاحب کے ہم کار تھے۔ہم لوگ ۱۹۵۲ء سے ۱۹۶۲ء تک یہاں رہے۔والد صاحب نے مجھے آٹھویں جماعت میں اور چھوٹے بھائی طارق علی احمد کو پانچویں جماعت میں کینٹ بورڈ ہائی اسکول ملتان چھاؤنی میں داخلہ دلوایا۔

ملتان جیسا آج ہے ۱۹۵۲ء میں ویسا نہ تھا۔ریلوے پلیٹ فارم پر جو شیڈ اور سہولتیں

Marfat.com

موجود ہیں وہ اُس وقت موجود نہ تھیں ۔ گاڑی سے پلیٹ فارم پر اترتے ہی انتہائی گرمی اور شدید دھوپ استقبال کرتی ۔ اُس وقت کا ملتان اِس شعر کے عین مطابق تھا:

چار چیز است تحفۂ ملتان

گرد، گرما، گدا و گورستان

لیکن آج کل ملتان کی کیفیت کچھ یوں ہے:

چار چیز است تحفۂ ملتان

گل و سبزہ بہار و نخلستان

ملتان پاکستان ہی نہیں دنیا کے قدیم شہروں میں سے ہے ۔ یہاں ہر دور کا کلچر آج بھی زندہ ہے ۔ ملتان ہر دور میں علم و ادب کا گہوارہ رہا ہے ۔ یہاں حضرت شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا علم و عرفان کے موتی لٹاتے رہے ۔ ملتان تا سندھ اسلام کی ترویج و اشاعت حضرت بہاؤالدین زکریاؒ کے قدومِ میمنت لزوم سے ہوئی ۔ ملتان کا اثر انڈونیشیا، ملائشیا، اراکان و خراسان تک پہنچا ۔ اور وہاں کے لوگ حضرت کی برکت سے مشرف بہ اسلام ہوئے ۔ شیخِ کبیر حضرت بہاؤالدین زکریاؒ کے قیامِ ملتان سے نہ صرف ملتان بلکہ سارا ہندوستان فیوض و برکات کے انوار سے منور ہو گیا تھا ۔ حضرت شیخ فخرالدین عراقیؒ اپنے مرشد اور خسر حضرت بہاؤالدین زکریا کی خدمت میں ملتان میں ۲۵ برس تک رہے ۔ اُن کا ایک شعر ہے:

در کوئے خرابات کسے را کہ نیاز است

ہشیاری و مستیش ہمہ عین نماز است

اُن کا ایک اور شعر ملاحظہ ہو:

بہ زمیں چو سجدہ کردم زِ زمیں ندا برآمد

کہ مرا خراب کردی تو بہ سجدۂ ریائی

امیر خسرو شہزادہ محمد کے پاس دو برس تک ملتان میں رہے ۔ حضرت شیخ جلال الدین

Marfat.com

سرخ بخاری اوچی اور شیخ عثمان مروندی (لال شہباز قلندر) حضرت بہاؤالدین زکریا کے پاس ملتان پہنچے۔ اُن کی قائم کردہ یونیورسٹی میں پڑھتے رہے اور روحانی اکتساب کیا۔ ملتان کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبارالاخبار میں ملتان کو ''چھوٹا مدینہ'' کہا ہے اور دلی کو ''چھوٹا مکہ''۔ حضرت داتا گنج بخش نے کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ میں ملتان کے نواح میں واقع ایک قصبے ''لاہور'' میں آ کر آباد ہوا ہوں۔ گویا اُس وقت شہر ملتان کے مقابلے میں لاہور ایک قصبے کی حیثیت رکھتا تھا۔ چنانچہ مدینۃ الاولیاء ملتان والد صاحب کے مزاج کے لحاظ سے بہت موزوں تھا۔ مجھے معلوم ہے کہ حضرت والد صاحب کا قیامِ ملتان ان کے لیے مزید درجات کی بلندی کا سبب بنا۔

ملتان میں قیام کے دوران میں والد صاحب کے ایک رفیقِ کار عبدالغفور صاحب کے ذریعے والد صاحب کے تعلقات معروف صوفی بزرگ حضرت سید احمد علی شاہ بخاری سے استوار ہوئے۔ محلّہ قدیر آباد ملتان میں عبدالغفور صاحب کے گھر علم و عرفان کی مجلس جمتی اور دونوں بزرگ اس مجلس میں شریک ہوتے۔ دونوں معرفت و سلوک کے مختلف موضوعات پر اظہار خیال کرتے۔ ان مجلسوں میں بچے بوڑھے بھی شریک ہوتے۔ اور حضرت والد صاحب اور سید احمد علی شاہ بخاری کی گفتگو سے اکتسابِ فیض کرتے۔ سید احمد علی شاہ اکثر ہمارے گھر بھی آتے۔ وہ بہاولپور میں کئی بار حضرت والد صاحب سے ملنے کے لیے آئے۔ اب بھی ملتان میں قیام پذیر ہیں۔ اللہ پاک انھیں سلامت رکھے۔

جناب سلیم چشتی حضرت والد صاحب کے مرشدزادے تھے۔ لاہور سے ٹرانسفر ہو کر ملتان آئے تو ان کا قیام چھ ماہ تک ہمارے ہی گھر میں رہا۔ بال بچے دار تھے۔ دو تین دفعہ بچوں سمیت بھی تشریف لائے۔ حضرت والد صاحب نے اُن کی بھی روحانی تربیت فرمائی۔ فرمایا کرتے کہ سلیم ابھی تصوف کے رموز سے پوری طرح آگاہ نہیں اس لیے ان کی تربیت ضروری ہے۔ (واضح ہو کہ جنابِ سلیم کئی سال ہوئے وصال فرما گئے۔ ان کا

Marfat.com

مزار ان کے والد حضرت شاہ محمد حسین چشتی صابریؒ کے پہلو میں ہے۔ ان دونوں کے مزارات لاہور میں جی ٹی روڈ پر یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور کے بالمقابل واقع ہیں۔ ان کا سالانہ عرس بھی ہوتا ہے۔) میں سلیم چشتیؒ صاحب کے ساتھ بابا فرید گنج شکر کے مزار پر عرس کے زمانے میں گیا۔ ایک بار شاہ شمس سبزواری، حضرت شاہ رکن عالمؒ اور حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کے مزارات مقدسہ پر بھی حاضری دی۔ سلیم صاحب مزارات کے سرہانے بیٹھ جاتے اور آنکھیں بند کر کے مراقبے میں چلے جاتے اور مخصوص انداز میں زیارات فرماتے۔

دسمبر ۱۹۶۳ء میں مجھے حکومت پنجاب محکمہ تعلیم میں ملازمت ملی اور بطور سائنس کے استاد کے گورنمنٹ ہائی اسکول اوچ شریف میں تعینات کیا گیا۔ اب ملتان سے اوچ شریف جانا تھا۔ والد صاحب نے اپنی پریشانی کا اظہار تو نہ کیا مگر کہنے لگے چلو تمھیں سکول چھوڑ آؤں۔ ہم نے رات کا سفر بذریعہ ریل گاڑی ملتان تا ڈیرہ نواب صاحب کیا۔ صبح کے وقت صرف ایک بس تھی جس کا رخ اوچ شریف کی طرف ہوتا تھا اور بڑی سست رفتار تھی۔ تقریباً ایک گھنٹے میں احمد پور شرقیہ سے اوچ شریف پہنچی۔ اسکول پہنچے۔ ہیڈ ماسٹر جناب دیوان مرید احمد صاحب سے ملاقات ہوئی۔ والد صاحب بھی ملے۔ کچھ دیر ٹھہرے اور ''سپردم بتو مایۂ خویش را'' کہہ کر واپس ہوئے۔ بعد میں ہیڈ ماسٹر صاحب فرمانے لگے کہ بھئی آپ کے والد صاحب کو آپ سے بڑی محبت ہے حالانکہ آپ عاقل و بالغ ہیں لیکن آپ کے والد خود آپ کو لے کر یہاں پہنچے ہیں۔ اب محسوس کرتا ہوں کہ واقعی والد صاحب کو اپنی اولاد سے کتنی محبت تھی مگر وہ اس محبت کو دل میں چھپا کر رکھتے تھے۔ دیوان مرید احمد صاحب آخر وقت والد صاحب کو یاد کرتے تھے حالانکہ ان کی ملاقات والد صاحب سے زیادہ سے زیادہ نصف گھنٹے رہی ہوگی۔

والد صاحب کو ادب کا شوق تو تھا ہی، اکثر فرصت کے اوقات میں مطالعہ فرماتے۔ تاریخِ اسلام، اردو ادب اور تصوف ان کے محبوب موضوعات تھے۔ ادب کے ساتھ ساتھ

Marfat.com

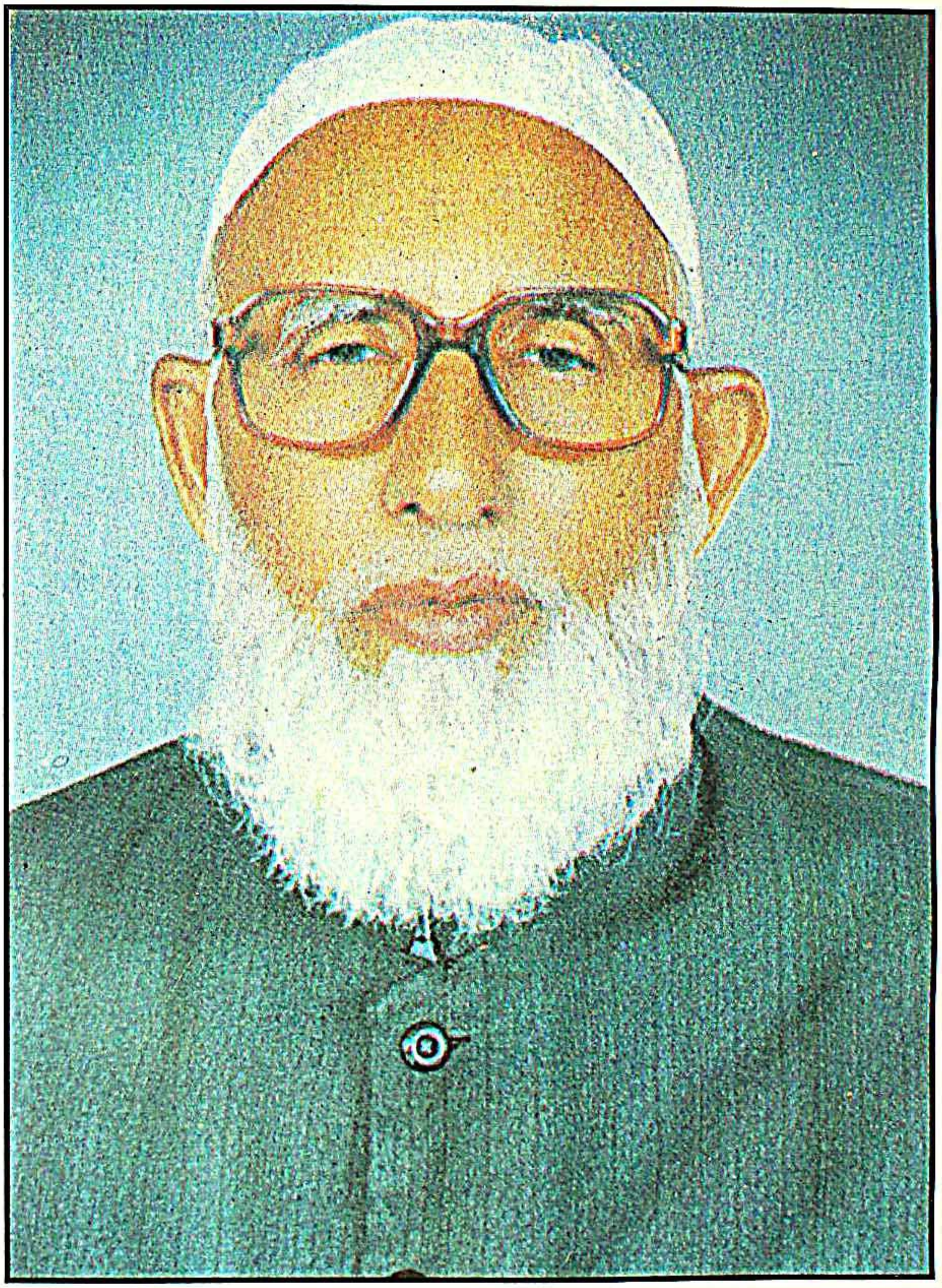

حضرت بابا شاہ سلیمان شاہؒ کے چھوٹے بھائی

حضرت میاں منظور احمد صاحب چشتی نظامی مدظلہٗ فیصل آباد

Marfat.com

Marfat.com

فنِ موسیقی کی بھی پوری شد بد رکھتے تھے۔ معروف ڈرامہ نگار آغا حشر کاشمیری کے ساتھ اُن کے ذاتی تعلقات تھے۔ شام کو فراغت کے وقت وہ کتاب کا مطالعہ کرتے۔ رات گئے جب وہ سو جاتے تو ہم ان کی کتاب خاموشی سے اٹھا لیتے اور مطالعہ کرتے۔ ایک دفعہ ان کے پاس ایک بہت ہی مختصر کتاب دیکھی۔ سرخ رنگ کا گرد پوش، نام تھا ''ارضی دیوتا'' اور مصنف خلیل جبران، مترجم بشیر ہندی۔ میں وہ کتاب پڑھتا جاتا، عجیب وغریب طرزِ تحریر تھی۔ الفاظ میں بڑی کشش اور گھن گرج تھی، روانی تھی مگر ہماری سمجھ میں بہت سی باتیں نہیں آ رہی تھیں انداز شاعرانہ اور فلسفیانہ۔ بعد میں والد صاحب سے بہت سے الفاظ کے معانی پوچھنے پڑتے اور اصطلاحات کو سمجھنا پڑا۔

ملتان میں ہمارا قیام ۱۹۵۲ء سے لے کر ۱۹۶۹ء تک رہا۔ والد صاحب ۱۹۶۵ء میں ریلوے کی ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔ اس دوران میں ان کی پوسٹنگز خانپور، خانیوال، بہاول نگر وغیرہ میں رہی مگر وہ وہاں اکیلے ہی گئے اور ہم تمام اہلِ خانہ ملتان میں سکون و آرام سے رہے، باہر اکیلے رہنے اور صعوبتیں برداشت کرنے کی زحمت انھوں نے ہمارے لیے برداشت کی۔

والد صاحب ذہنی طور پر مسلم لیگ کی طرف جھکاؤ رکھتے تھے کیونکہ انھوں نے قیامِ پاکستان سے قبل پاکستان کے لئے کافی کام کیا تھا۔ مگر جب وہ پاکستان میں ہونے والی سیاست کا جائزہ لیتے تو کہتے کہ قائداعظم نے تو عام مسلمانوں کے لیے یہ ملک حاصل کیا تھا۔ اس پر تو نوابوں، زمینداروں اور ان سیاست دانوں نے قبضہ کر لیا ہے جنھوں نے پاکستان کے خلاف کام کیا تھا۔ ۱۹۷۱ء کی جنگ جس نے پاکستان کو دولخت کر دیا اور جس سے بنگلہ دیش نے جنم لیا، جہاں نوے ہزار پاکستانی افواج نے ہتھیار ڈال دیے، جہاں بے پناہ کشت وخون ہوا اور جہاں کے واقعات روح فرسا ہیں اور جس کو ہم سقوطِ ڈھاکہ کے عنوان سے منسوب کرتے ہیں۔ جوں ہی یہ خبر والد صاحب نے سنی تو سکتے کی سی کیفیت میں آ گئے اور پھر اس کے بعد پلکیں بھیگ گئیں اور آنسوؤں کا سیلاب آ گیا۔ روتے جاتے

Marfat.com

اور کہتے بہت بڑا ظلم ہوا۔ ۹۰ ہزار پاکستانی فوجی اگر خالی ہاتھ سے مکّوں سے بھی لڑتے تو وہ غالب آ سکتے تھے۔ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایک ستر سالہ بوڑھا کس کرب میں مبتلا ہوا ہوگا کہ اس کی آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے۔ کئی مہینے گزر گئے مگر اُن کی بے کلی نہ گئی۔ وہ کہتے کہ ''میں نے بنگال دیکھا ہے، وہاں کے سیاسی اکابرین سے واقف ہوں۔ وہاں کے عوام کی سوچ کا شناور ہوں، وہ ہم سے زیادہ سچے مسلمان ہیں۔ اُنھوں نے پاکستان بنانے میں بہت جوش و خروش کا مظاہرہ کیا تھا۔ ہمارے سیاست دانوں اور جرنیلوں کی غفلت اور مجرمانہ طرزِ عمل نے یہ دن دکھایا کہ ہمارا دشمن اس سے فائدہ اٹھا گیا۔ اے اہل وطن تم نے اپنے آپ پر بہت ظلم کیا ہے۔''

ملتان میں لالہ شفیع صاحب جو ہمارے مالک مکان تھے، پیشہ ورانہ ہم کاری اُن کے لیے بے معنی تھی۔ اُنھوں نے نوٹس پر نوٹس دینے شروع کر دیے کہ مکان خالی کیا جائے۔ والد صاحب ان دنوں غالباً خانپور میں متعین تھے۔ بہر حال ہم نے کوشش کی اور بابو محلہ (ملتان چھاؤنی) میں حکیم امین اللہ خان کا دو تین منزلہ مکان کرایے پر حاصل کیا۔ ہندوؤں کے زمانے کی تعمیر تھی۔ ہر کمرہ تاریک اور تنگ۔ آنگن ندارد، گلی بھی تنگ، بڑی مشکل سے وہاں دو ماہ قیام رہا۔ والدہ بتاتی تھیں کہ ایک شب یوں محسوس ہوا کہ تیز و تند ہوائیں چل رہی ہیں۔ مکان کی بالائی منزل سے ہوا ٹکرا ٹکرا کر شائیں شائیں کرتی گزرتی رہی۔ صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ رات کسی قسم کی آندھی نہیں آئی۔ دن گزر گیا، رات وہی عمل ہوا، تیز ہوا کی شائیں شائیں۔ اگلے دن بھی معلوم ہوا کہ رات تیز ہوا کا وجود نہ تھا۔ والد صاحب دن کو ڈیوٹی سے واپس آئے تو والدہ نے شام کو ان سے ذکر کیا۔ والد صاحب نے سنا۔ مغرب کے وقت والد صاحب بالائی منزل پر گئے اور باقی اہل خانہ سے فرمایا کہ اوپر کوئی نہ آئے۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے اور بتایا کہ اب یہ آوازیں نہیں آئیں گی۔ بالائی منزل پر جنات کا بسیرا ہے۔ میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ بقائے باہمی

Marfat.com

کا تقاضا ہے کہ آپ اور ہم اپنی زندگی اپنے اپنے طور پر پُر امن طریقے سے گزاریں۔ اس رات کوئی آواز نہیں آئی اور جب تک وہاں قیام رہا آرام رہا۔ اسی دوران والد صاحب ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔

نومبر ۱۹۶۸ء کو ہماری شادی کر دی گئی۔ ملازمت بہاولپور میں تھی۔ لہذا ہم مع والدین کے بہاولپور آ گئے۔ پہلے مکان ٹرسٹ کالونی میں لیا۔ بعد ازاں ماڈل ٹاؤن بی کے علاقے میں دوسرا مکان کرایے پر لیا اور منتقل ہو گئے۔ یہ جگہ بہتر تھی اور اب بھی ہے۔ یہاں مسجد انوارِ خضراء میں والد صاحب کا زیادہ وقت گزرتا۔ عصر سے مغرب تک تو وہ رہتے ہی مسجد میں تھے۔

مسجد انوارِ خضراء میں والد صاحب کے اردگرد اُن اصحاب کا زیادہ اٹھنا بیٹھنا رہا جو زمانے کی دستبرد کے شاکی تھے۔ وہ والد صاحب سے دعا کے طالب ہوتے۔ آپ اُن کی دلجوئی کرتے اور دعا فرما دیتے۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ والد صاحب نے فرمایا کہ ابھی دعا کی قبولیت کا وقت نہیں ہے۔ پھر آنا۔ یہ باتیں ہم نے اُن معتقدین کی زبانی سنیں جن کے لیے والد صاحب نے دعا کی اور قبول ہوئی۔ اور جن کے لیے والد صاحب نے وقت آنے پر دعا کی وہ بھی خدا کے حضور قبول ہوئی۔

والد صاحب کی صحبت میں زیادہ رہنے والوں میں چودھری عبدالرشید بہت نمایاں ہیں۔ وہ آج بھی اُن کا ذکر بڑی محبت اور عقیدت سے کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اُن کے پوتے اُسامہ کی پیدائش بابا صاحب کی دعا سے ہوئی۔ وہ بابا صاحب کے اہل خاندان سے بڑی محبت سے پیش آتے ہیں اور ماہانہ گیارھویں شریف میں ہم لوگوں کو اصرار سے بلواتے ہیں۔ اُن کے فرزند چودھری محمد امین زرعی ادویات کا کاروبار کرتے ہیں اور اپنے والد محترم کی طرح میرے ساتھ اور بھائی طارق علی احمد کے ساتھ بڑی عزت و محبت سے پیش آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ چودھری صاحب کا سایۂ ہما پایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے

Marfat.com

اور اُن کے صاحبزادہ والا تبار کو عزت و توقیر عطا فرمائے ۔ آمین

صدیق اظہر صاحب مالی طور پر تنگدست تھے ۔ والد صاحب سے دعا کے طالب ہوئے ۔ بابا صاحب نے دعا فرمائی اور اُن کی مالی پریشانی کشائش میں تبدیل ہوگئی ۔ اسی طرح سعید اکبر مرحوم بے روزگار تھے ۔ طالبِ دعا ہوئے ۔ حضرت والد نے دعا فرمائی اور انھیں بنک میں باعزت ملازمت مل گئی ۔ کچھ عرصہ گزرا سعید اکبر وفات پا گئے ۔ اللہ اُن کے درجات بلند فرمائے ۔ آمین

حضرت والد کے خلفاء میں حضرت مولانا امان اللہ خان کا نام بہت نمایاں ہے ۔ آپ اکثر حضرت والد کی خدمت میں حاضری دیتے رہے ۔ آپ میرے ساتھ اور بھائی طارق علی احمد کے ساتھ بڑی شفقت فرماتے ہیں ۔ وہ جہاں بھی جائیں اُن کی گفتگو کا محور حضرت بابا صاحب کی ذات گرامی ہوتی ہے ۔ آپ فرماتے ہیں ''بابا صاحب کھرے درویش ہیں ۔ میں نے اُن جیسا بزرگ آج تک نہیں دیکھا ۔''

آخری ایام میں والد صاحب کی صحت زیادہ خراب رہی ۔ ڈاکٹر محمد انور جو ماڈل ٹاؤن بی میں مطب کرتے تھے فوراً دیکھنے آتے ۔ ڈاکٹر مظہر عتیق جو میڈیسن کے پروفیسر ہیں اور ہمدرد و شفیق ہیں اپنی آرا اور طبی معائنے سے نوازتے رہے ۔ والد صاحب اُن دنوں غالبؔ کا یہ شعر بھی پڑھتے :

ہو چکیں غالبؔ بلائیں سب تمام
ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

ایک دن فرمانے لگے کہ دیکھو جب میرا انتقال ہو تو مولانا امان اللہ صاحب کو کہنا کہ وہ میری نمازِ جنازہ پڑھائیں ۔ ۵ جون ۱۹۸۹ء کی رات بارہ بجے کھانسی زیادہ تھی ۔ میں نے کہا دوا لے لیں ۔ اُنھوں نے غالبؔ کا مندرجہ بالا شعر پڑھا اور کہا:

''یار تم ضد بہت کرتے ہو ۔''

Marfat.com

میں نے کہا: ''دوا سے افاقہ ہوگا۔''

کہنے لگے: ''چلو دے دو۔''

میں نے والد صاحب کو دوا دی۔ اُنھوں نے پانی کے ایک گھونٹ کے ساتھ دوا لے لی۔ تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگے:

''یار دوا تو گلے میں اٹکی ہوئی ہے۔''

میں نے کہا: ''آپ اور پانی پی لیں۔''

اُنھوں نے مزید پانی پیا۔ کہنے لگے۔ ''اب ٹھیک ہے۔ تکیہ اونچا کر کے مجھے سیدھی ٹیک لگوا دو۔''

میں نے حسب ہدایت سیدھی ٹیک لگوا دی۔ والد صاحب صلوٰۃ دائمی ہر وقت فرماتے تھے۔ ہر سانس کے ساتھ اللہ کا لفظ جاری رہنا چاہیے۔ اُس وقت وہ مراقبے میں تھے۔ میں ساتھ پڑی چارپائی پر بیٹھ گیا۔ وقت بارہ یا سوا بارہ بجے شب کا تھا۔ تھوڑی دیر کے لیے میں لیٹ گیا اور نہ جانے کب اونگھ گیا۔ جب اونگھ سے چونکا تو دیکھا والد صاحب بائیں جانب ڈھلکے ہوئے ہیں۔ میں نے آواز دی کہ ابا جی سیدھے ہو جائیں کہیں گر نہ پڑیں۔ مگر والد صاحب نے سنا ہی نہیں۔ پھر پکارا مگر جواب ندارد۔ جلدی سے اٹھا۔ والد صاحب کو سیدھا کیا اور اُن سے حالت پوچھی۔ مگر وہ نہ بولے۔ میں نے نبض پر ہاتھ رکھا، وہ گم تھی۔ میں نے کہنی کے قریب نبض تلاش کی مگر وہ بھی خاموش۔ میں نے گردن کے پاس دھڑکن محسوس کرنے کی کوشش کی مگر کوئی ارتعاش نہ تھا۔ میں نے فوری طور پر اُنھیں لٹا دیا۔ ٹیک کے تکیے نکال دیے۔ پاؤں اور ہاتھ سیدھے کر دیے اور چادر ڈال دی۔ ساتھ ہی چارپائی پر میری بیوی عذرا سو رہی تھی۔ میں نے درمیان میں اپنی چارپائی کھڑی کر دی۔ اندر کمرے میں بڑی بہن زیب النساء سو رہی تھیں۔ اُنھیں سونے دیا۔ گھڑی دیکھی بارہ بج کر پینتالیس منٹ ہوئے تھے۔ میں نے ڈاکٹر مظہر الحق عتیق صاحب کو ٹیلیفون کیا۔

اتفاق سے اُنھوں نے خود ہی ٹیلیفون اٹنڈ کیا۔ میں نے تفصیل بتائی اور درخواست کی کہ وہ اگر آ کر دیکھ لیں تو مہربانی ہوگی۔ وہ ایک بج کر بیس منٹ پر شب خوابی کے لباس میں ہی اپنی کار پر پہنچ گئے۔ والد صاحب کا معائنہ کیا اور انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا۔ مجھے تسلی و تشفی کے کلمات کہے اور چلے گئے۔

مجھے والد صاحب کی وصیت یاد آئی کہ جب ان کا انتقال ہو تو مولانا امان اللہ خان صاحب کو نماز جنازہ کے لیے بلایا جائے۔ مولانا کہاں ہونگے مجھے معلوم نہیں تھا۔ کم از کم وہ بہاولپور میں نہیں تھے۔ میں اُسی وقت صدیق اظہر صاحب کے پاس گیا۔ دروازے کی گھنٹی بجائی۔ وہ باہر آئے، خیریت پوچھی اور پھر والد صاحب کی رحلت کی خبر سن کر آبدیدہ ہو گئے۔ میں نے کہا کہ مولانا امان اللہ صاحب کو تلاش کرنا ہے۔ کہنے لگے وہ تو خانپور اور رحیم یار خان کے درمیان دھریجہ نگر میں ہونگے۔ میں نے اُنھیں کہا کہ وہ کسی کو بھجوائیں۔ ان کے ذمے یہ کام لگا کر واپس گھر لوٹا تو بڑی بہن جاگ گئی تھیں۔ پوچھنے لگیں کہ رات کے اس پہر کہاں گئے تھے۔ میں نے اُنھیں تفصیل بتائی۔ اس کے بعد میں نے تمام عزیز و اقرباء کو والد صاحب کی وفات کی اطلاع دی۔

صبح کی نماز کے لیے مسجد گیا۔ وہاں چودھری عبدالرشید صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اُنھیں بتایا، وہ بہت متاسف ہوئے۔ وہیں صدیق اظہر نے اطلاع دی کہ اُنھوں نے ایک آدمی کو دھریجہ نگر رحیم یار خاں بھجوا دیا ہے تاکہ مولوی امان اللہ صاحب کو اطلاع ہو سکے۔

والد صاحب کی وصیت تھی کہ جب وہ فوت ہوں تو اُنھیں ایسی جگہ دفن کیا جائے جہاں مسجد ساتھ ہو۔ اذان کی آواز سنائی دے اور جہاں درس قرآن ہوتا ہو۔ اللہ کی مہربانی سے حسبِ وصیت جگہ مل گئی۔ یہ جگہ مسجدِ فاروق سے ملحق تھی۔ طے پایا کہ گورکن کو تلاش کر کے اس جگہ کا جائزہ لیا جائے۔ گورکن کو بلایا گیا۔ اس نے کھدائی شروع کی اور اطلاع

Marfat.com

دی کہ مسجد کی دیوار کے ساتھ ایسی جگہ موجود ہے جسکی خواہش والدِ مرحوم نے کی تھی ۔ میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالایا ۔ یہاں پانچ بار اذان ہوتی ہے ۔ پنج گانہ نماز اور جمعہ کا اہتمام ہوتا ہے ۔ بچے قرآن پڑھتے ہیں اور درسِ قرآن کا سلسلہ جاری رہتا ہے ۔

والد صاحب کا جس رات انتقال ہوا اس سے قبل دن کو دوپہر کے قریب چھوٹے بھائی طارق علی احمد کا راولپنڈی سے فون آیا ۔ اُنھوں نے والد صاحب کی خیریت دریافت کی ۔ کہنے لگے دل گھبرا رہا تھا ، سوچا حال احوال معلوم کرلوں ۔ پھر پوچھا کیا میں بہاولپور آ جاؤں ؟ میں نے کہا کہ بظاہر تو خیریت ہی ہے اور والد صاحب بھی ٹھیک ہی ہیں کیونکہ موجودہ حالت سے زیادہ خطرناک صورتِ حال میں اللہ نے کرم فرمائی کی ہے ۔ آنے کی ضرورت تو نہیں لیکن اگر تمھارا جی چاہے تو آ جاؤ ۔

اگلے دن گیارہ بجے جب گھر کے باہر صف بچھی تھی ، لوگ آ جا رہے تھے تو کیا دیکھتا ہوں کہ طارق علی احمد آ رہے ہیں ۔ ان کا دل ٹھیک ہی گھبرا رہا تھا ۔ وہ والد صاحب کے آخری دیدار کے لیے آ گئے تھے ۔ تھوڑی دیر میں مولانا امان اللہ خاں دھریجہ بھی تشریف لے آئے ۔ میں آج جب سوچتا ہوں کہ والد صاحب کی آخری خواہشات کی تکمیل کا اہتمام خدا تعالیٰ نے خود ہی کر دیا ۔ یقیناً وہ اللہ کے مقربین میں سے تھے ۔

برادرم طارق علی احمد واپس راولپنڈی چلے گئے ۔ وہاں اب ان کا دل نہ لگا ۔ والد صاحب کی رحلت سے وہ بہت بے چین تھے ۔ اتفاق ایسا ہوا کہ بہاولپور کے ایف جی پبلک سکول میں وائس پرنسپل کی جگہ خالی تھی ۔ طارق صاحب معیار اور تجربے کے لحاظ سے موزوں تھے ۔ چنانچہ ان کا تبادلہ راولپنڈی کے ایف جی سرسید سیکنڈری اسکول سے بہاولپور کرالیا گیا ۔

طارق علی احمد چونکہ ملازمت کے دوران گھر سے اور والدین سے دور ہی رہے اور یہ خیال ہمیشہ غالب رہا کہ وہ والدین کی خدمت نہ کر پائے ، حالانکہ وہ ہمیشہ والد صاحب

Marfat.com

کے نام باقاعدگی سے رقم بھیجتے رہے ،لہٰذا یہاں آ کر ان کی تمام تر توجہ والدہ صاحبہ کی خدمت پر مرکوز ہو گئی ۔ والدہ صاحبہ خاصی نحیف اور کمزور تھیں ۔ بصارت بھی صرف پرچھائیوں تک محدود ہو گئی تھی ۔ بہر حال وہ جب تک حیات رہیں طارق صاحب کی کوشش رہی کہ اُن کی خدمت کرتے رہیں ۔

والد صاحب کی وفات کے بعد طارق صاحب نے اُن کے مزار پر چبوترہ بنوایا اور اُس کے چاروں طرف آہنی جنگلہ لگوایا ۔ ۱۹۹۴ء میں والدہ صاحبہ کی رحلت ہوئی تو اُنھیں حسب وصیت والد صاحب کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا ۔ چبوترہ تو بن گیا تھا لیکن اصل تعمیر باقی تھی یعنی مزار شریف کی عمارت کی تعمیر ۔ چنانچہ ۱۹۹۹ء میں تعمیر کا حتمی فیصلہ کر لیا گیا اور بالآخر ۱۹۹۹ء ہی میں مزار شریف کی خوبصورت عمارت بن کر تیار ہو گئی ۔ الحمد للہ ۔

محترم و مکرم جناب محمد حسن خان میرانی جو ایک درویشِ باکمال ہیں ، بلند پایہ عالم اور انسانی اقدار کے امین ، ادیب اور شاعر ہونے کے ساتھ ماہر مالیات بھی ہیں ۔ ان صفات کے باوصف ان سے ملئے تو حلم ، متانت ، سنجیدگی اور سادگی کا مرقع نظر آتے ہیں ۔ اُنھوں نے والد صاحب کی تاریخِ وفات لکھی اور کتبہ بہاولپور کے مشہور خوشنویس جناب اشفاق مرحوم نے لکھا ۔ نقشِ کتبہ کچھ یوں ہے :

☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

قطعاتِ تاریخ وصال

حضرت بابا محمد سلیمان قلندر چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ

وفات ۳۰ شوال ۱۴۰۹ھ بمطابق ۵ جون ۱۹۸۹ء شبِ دوشنبہ

بوقت ڈیڑھ بجے بعد از نصف اللیل ۔ عمر گرامی ۸۹ سال

Marfat.com

''مردِ قلندر جناب بابا محمد سلیمان چشتی صابریؒ

۱۹۸۹ء

سلیمان عالی قلندر برفت بود بے گماں قدوۃ العارفین
حسن جست تاریخ چوں از خرد ندا از فلک داد روح الامیں
زِ حکمِ خداوند رفت از جہاں
''سلیماں قلندر بعرشِ بریں''

۱۴۰۹ھ

اُٹھے دہر سے آج بابا قلندر کہ تربت پہ ان کی ہوں رحمت کے سائے
ندا مجھ کو ہاتف نے دی یہ حسنؔ ''کہ باغِ جناں میں سلیمان آئے''

۱۴۰۹ھ

کاوشِ فکر: محمد حسن خان میرانی

☆

میری والدہ

☆

ہماری والدہ سیدہ آمنہ بی بی خاندانِ سادات سے تعلق رکھتی تھیں ۔ اُن کا تعلق بھاگل پور (صوبہ بہار انڈیا) کے ایک کھاتے پیتے گھرانے سے تھا۔ اُن کے والد اور ہمارے نانا سید محمد اشرف الدین صاحب ضلع کچہری میں سررشتہ دار تھے ۔ اور اس کے ساتھ ساتھ مصطفٰی پور (انڈیا) میں اچھی خاصی زمین بھی تھی ۔ ہماری والدہ محلّہ بھیکن پور۔ بھاگل پور (صوبہ بہار انڈیا) میں پیدا ہوئیں ۔ بھیکن پور میں ہمارے نانا اور اُن کے دیگر اہلِ خاندان کے حویلی نما گھر تھے جس سے اُن کی خاندانی وجاہت کا اندازہ ہوتا تھا۔ نانا جان

Marfat.com

کا جلد انتقال ہو گیا اور ہماری نانی صاحبہ کو عالمِ بیوگی میں اپنے بال بچوں کی پرورش کرنا پڑی ۔ مصطفیٰ پور میں جو زمین تھی اُس کی آمدنی سے اور کچھ زمین بیچ کر اُنھوں نے چار بیٹوں اور چار بیٹیوں کی پرورش کی اور شادی بیاہ بھی کیے ۔ نانی جان بڑی نیک اور دیندار خاتون تھیں اور اُنھیں خواجہ غریب نوازؒ سے بڑی عقیدت تھی ۔ اُن کا انتقال بھی اجمیر جاتے ہوئے راستے میں ہوا۔ دلّی شریف ، کلیر شریف ، پاک پتن شریف بارہا زیارت کے لیے تشریف لائیں ۔ پاکستان بننے سے بہت پہلے حج پر تشریف لے گئیں ۔ اس لیے اپنے علاقے میں جن بی کے نام سے موسوم تھیں ۔ ویسے اُن کا اسمِ گرامی سیدہ کلثوم بی بی تھا۔ ہماری والدہ صاحبہ کے چار بھائی تھے ۔ بڑے سید عبدالحبیب صاحب ، اُن کے بعد سید محی الدین صاحب ، پھر سید وجیہ الدین صاحب اور سب سے چھوٹے سید قمر الدین صاحب ۔ اِن سب کی اولادیں آج بھی بھاگل پور (انڈیا) اور انڈیا کے دیگر شہروں میں آباد ہیں ۔ ہماری والدہ صاحبہ کی تین بہنیں تھیں ۔ سیدہ اشرف النساء ، سیدہ حلیم النساء اور سیدہ بلقیس النساء ۔ ان میں سے سیدہ اشرف النساء کی اولاد بڑی صاحبِ حیثیت اور مُرفہ الحال ہے ۔ ہماری ماں کے اہلِ خاندان پڑھے لکھے لوگ تھے ۔ اور اچھے حکومتی عہدوں پر فائز تھے ۔ جب ہندوستان میں تحریکِ خلافت چلی اور مولانا محمد علی جوہر کی والدہ ہندوستان گیر دورہ کرتی ہوئی ہماری والدہ کے شہر بھاگل پور پہنچیں تو ہماری والدہ نے جو اُس وقت غیر شادی شدہ اور جوان تھیں ''بی اماں'' کا بھرپور ساتھ دیا اور تحریکِ خلافت کے لیے بڑا کام کیا ۔ ہماری نانی جان نے ہماری ماں سیدہ آمنہ بی بی کی شادی سید محمد حنیف صاحب سے کر دی ۔ اُنسے دو اولادیں ہوئیں ۔ سید محمد امین الدین اور سیدہ زیب النساء ۔ جناب سید محمد حنیف بہت جلد انتقال کر گئے اور ہماری والدہ صرف ۱۸ برس کی عمر میں بیوہ ہو گئیں ۔ ۱۹۳۵ء میں ہماری نانی جان نے ہماری والدہ صاحبہ کا دوسرا نکاح ہمارے والدِ گرامی سے کر دیا ۔ ہماری والدہ پڑھی لکھی خاتون تھیں ۔ اردو کے علاوہ فارسی

Marfat.com

کی بھی شد بد رکھتی تھیں قرآن پاک اور دیگر دینی کتب کا مطالعہ کیا کرتی تھیں ۔اس کے علاوہ اردو ادب کی کلاسیکی کتابوں کا مطالعہ بھی کیا تھا۔ ہم نے بچپنے میں قصہ حاتم طائی ، باغ و بہار اور داستانِ امیر حمزہ انھی سے سنیں ۔ اس کے علاوہ اُنھیں اور بھی بے شمار حکایات ازبر تھیں ۔ والد صاحب نے شادی کے بعد اپنے پیر جناب شاہ محمد حسین صاحب چشتی صابری سے والدہ صاحبہ کو بیعت کرایا ۔ پیرِ روشن ضمیر نے والدہ صاحبہ اور والد صاحب کو ۱۹۳۹ء میں لاہور آنے کی دعوت دی اور مسلسل دس دن تک بڑی خاطر مدارات کی ۔ اس کے علاوہ والدہ صاحبہ اور والد صاحب اپنے پیر صاحب کے ہمراہ کلیر شریف کے سالانہ عرس پر بھی شرکت کے لیے سہارن پور اور رڑکی ہوتے ہوئے کلیر شریف پہنچے اور حضرت پیرانِ کلیر کی برکات وحسنات سے مستفید ہوئے ۔

میری والدہ صاحبہ پاکستان بننے کے بعد اپنے شوہر اور بچوں کے ہمراہ پاکستان تشریف لے آئیں اور والد صاحب کی وفات تک اُنھوں نے کافی جہاد کیا ۔ والد صاحب کی مسلسل بیماری کے دوران میں ان کی خدمت ، بچوں کی پرورش ، تعلیم وتربیت اور دیکھ بھال سب انھی کے ذمہ تھا کیونکہ والد صاحب تو اکثر ملازمت کے سلسلے میں دوروں پر رہتے تھے ۔ وہ نہایت کم گو اور متین خاتون تھیں ۔ والد صاحب کی وفات کے بعد اور خاموش ہو گئیں ۔ ہم نے اُنھیں کبھی بحث مباحثہ کرتے نہیں دیکھا ۔ اُنھیں اپنے گھر کے علاوہ باہر کی دنیا کا کچھ پتہ نہ تھا ۔ شوہر پرست تھیں اور اپنے بچوں سے بے حد محبت کرتی تھیں ۔ تمام عمر اپنے ہاتھوں سے اپنا کام کیا ۔ جھاڑو بہارو ، کھانا پکانا ، صفائی ستھرائی اور دیگر تمام امور اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں ۔ اُنھیں اپنے نواسوں ، نواسیوں اور پوتے پوتیوں سے بہت محبت تھی ۔ کھانا کھانے بیٹھتیں تو سب کو ایک ایک دو دو نوالے کھلاتیں ۔ آخر دم تک وہ اپنے کام کاج خود ہی کرتیں ۔ بزرگانِ دین کی نذر نیاز اکثر دلواتیں ۔ گیارھویں شریف ، ۱۲ ربیع الاول ، محرم وغیرہ کی نیاز بڑی باقاعدگی سے دلواتیں اور اڑوس پڑوس میں بھی تقسیم

Marfat.com

کرتیں ۔آخری عمر میں پیٹ درد کی شکایت بڑھ گئی تو ڈاکٹر انور سے دوا منگوا لیتیں ۔افاقہ ہو جاتا ۔لیکن آہستہ آہستہ اُن کی بھوک کم ہوتی گئی ۔ ایک دن فرمانے لگیں کہ جب میں وفات پاؤں تو مجھے میرے شوہر کے پہلو میں دفن کرنا ۔نقاہت زیادہ ہوگئی تو کہنے لگیں مجھے ڈاکٹر انور کو دکھاؤ ۔ڈاکٹر صاحب کو بلا کر لایا ۔اُنھوں نے دیکھا اور مشورہ دیا کہ کچھ ٹسٹ وغیرہ کرانا ہونگے ۔معائنے اور ٹسٹوں کے نتیجے میں یہ بات سامنے آئی کہ گلے میں رسولی ہے جس کی وجہ سے کھانے پینے میں دقت ہوتی ہے ۔رسولی کی دریافت سے پہلے طارق علی احمد حج کے لیے جانا چاہتے تھے ۔تمام تیاریاں مکمل تھیں ۔ والدہ صاحبہ سے پوچھنے لگے کہ اگر آپ اجازت دیں تو حج کی سعادت حاصل کرلوں ۔ والدہ صاحبہ نے جازت دے دی ۔ طارق صاحب نے پھر پوچھا کہ آپکی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے ۔ کہنے لگیں کہ اللہ کا نام لے کر حج پر چلے جاؤ ۔طارق صاحب اور چچا منظور احمد صاحب حج ۔روانہ ہو گئے ۔اُن کے جانے کے بعد والدہ کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی ۔ ڈاکٹرز نے سولی کو کینسر گردانا ۔ ڈاکٹر مظہرالحق عتیق صاحب نے اندازہ لگایا کہ کینسر چونکہ آخری حلے میں ہے اس لیے زندگی کے شاید دو یا تین ہفتے باقی ہیں ۔آخری ہفتے میں کھانا پینا کل بند ہوگیا ۔ پانی کا ایک گھونٹ لینا بھی ممکن نہ رہا ۔ دوا اور مائع غذا بذریعہ ڈرپ (Drip) دی جانے لگی ۔ پیٹ میں پانی بھر گیا ۔جس سے تکلیف اور بڑھ گئی ۔اس وقت رے منجھلے بیٹے ڈاکٹر ناظم علی احمد ہاؤس جاب کر رہے تھے ۔ وہ بذریعہ ٹیکہ پیٹ سے نی نکالتے تو تھوڑی دیر کے لیے افاقہ محسوس ہوتا ۔

بقرعید کا دن آ گیا ۔اُنھوں نے اپنے ہاتھ سے بچوں میں عید کی رقم تقسیم فرمائی ۔اگلے ن شام کو فرمانے لگیں کہ غسل کرنا ہے ۔ بڑی بہن روشن آرا اور میری بیٹی اسماء نسرین نے انھیں غسل خانے میں کرسی پر بٹھایا اور نہلایا ۔ نہلانے کے بعد کپڑے تبدیل کر رہی تھیں کہ اچانک ان کی حالت غیر ہوگئی ۔اسماء نے کہا پھوپھو دیکھیں امی جان کو کیا ہو رہا

Marfat.com

ہے۔ ہماری آپا بھی پریشان ہوگئیں اور اُنھوں نے مجھے پکارا کہ اسد! دوڑ کے آؤ دیکھو امی جان کو کیا ہو رہا ہے۔ میں نے بھاگ کر والدہ صاحبہ کو گود میں اٹھایا اور لا کر چارپائی پر لٹایا۔ اسی دوران میں اُنھوں نے داعی اجل کو لبیک کہی۔

یہ بات کہنا بے محل نہ ہوگا کہ سب لوگوں نے والدہ کی تیمارداری میں حصہ لیا لیکن بیماری کے دوران میں میری بڑی بہن روشن آراء نے والدہ صاحبہ کو مکمل طور پر سنبھالا۔ یہ سعادت اُنھیں کے حصے میں آئی۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

چھوٹی بہن زاہدہ بیگم نے ہمیشہ والد صاحب اور والدہ صاحبہ کے کھانے پینے کا اہتمام کیا۔ اللہ پاک اُنھیں جزا دے۔ آمین

اللہ کے نیک بندے بہت بامراد ہوتے ہیں۔ جیسا سوچا ویسا ہوگیا۔ والدہ کی آرزو بھی پوری ہوگئی۔ والد صاحب کے پہلو میں دفن ہوئیں۔ ان کے مزار کا کتبہ اور تاریخِ وفات بھی ادیبِ شہیر حضرت حسن میرانی کی کاوشِ فکر کا نتیجہ ہے۔ لوحِ مزار حسبِ ذیل ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

والسّٰبِقٰتِ سبقاً فالسّٰبِقٰتِ سَبقاً

۱۴۱۴ھ

''محترمہ سیدۂ عالی نسب آمنہ بی بی مرحومہ''

۱۴۱۴ھ

''آمنہ بی بی زوجہ بابا شاہ محمد سلیمان قلندر مرحوم''

۱۴۱۴ھ

''سیدہ آمنہ بی بی مرحومہ بنت سید اشرف الدین مرحوم''

۱۹۹۴ء

وفات: شب بارہ ماہِ ذوالحجہ تئیس ماہِ مئی شب منگل بوقت دس بج کر پانچ منٹ

عمر بیاسی سال

حبّذا آں سیّدہ ہم صالحہ

چوں بحکمِ ذوالمنن مغفور شد

با دلِ بیدار گفتم سالِ وصل

''آمنہ وصابرہ مستور شد''

۱۴۱۴ھ

بحکمِ خدائے غفور الرحیم

ہوئیں رحمتِ حق میں آج شامل

کہا مجھ کو ہاتف نے سالِ وصال

''ہوئیں آمنہ بزمِ جنت میں داخل''

۱۴۱۴ھ

کاوشِ فکر: محمد حسن خان میرانی ۔ بہاولپور

جب والدہ صاحبہ کا وصال ہوا تو طارق علی احمد حج کے لیے مکّے میں تھے ۔ ایک دن قبل حج کیا تھا ۔ واپسی پر وہ اور چچا منظور احمد صاحب لاہور ایئرپورٹ پر اُترے ۔ میں بھی استقبال کرنے والوں میں تھا ۔ میں نے طارق صاحب کو بتایا نہیں ۔ وہ پوچھتے رہے سبھی کے بارے میں خصوصاً والدہ صاحبہ کے بارے میں ۔ میں نے مناسب سمجھا کہ فوری طور پر خبر سنا کر پریشان نہ کروں ۔ کہا سب خیریت سے ہیں ۔ اگلے دن صبح بہاولپور کے لیے روانہ ہوئے ۔ شام کے وقت بہاولپور پہنچے ۔ میں نے طارق صاحب کو بتایا کہ مولانا!

Marfat.com

(واضح ہو کہ والد صاحب مرحوم اور میں اُنھیں مولانا کہہ کر مخاطب کرتے ہیں) اب وہ ہستی ہم میں موجود نہیں ہیں جن کی زیارت کے لیے تم بے چین ہو۔ دعاؤں کا وہ منبع ختم ہو گیا ہے۔ مولانا پر کیا گزری ہوگی اس کا اندازہ آپ لگا سکتے ہیں۔ آبدیدہ ہو گئے۔ خیالوں میں گم۔

طارق صاحب نے والدہ صاحبہ کے مزار پر توجہ کی۔ کتبہ لکھوایا اور نصب کر دیا۔ بعد ازاں ۱۹۹۹ء میں والد صاحب اور والدہ صاحبہ کے مزارات پر خوبصورت روضہ تعمیر کروا دیا۔ الحمدللہ

عقیدت کا انحصار کمالِ عرفان پر ہوتا ہے۔ جب ہم رفعتوں کا موازنہ اپنی ذات سے کرتے ہیں اور اپنی ذات، اپنے علمی سرمایے اور اپنی مہارتوں کو ماند پڑتے دیکھتے ہیں تو ارفع ذات کے سامنے سرِ نیاز خم کر دیتے ہیں۔ یہ جہانِ عناصر بہت عجیب ہے۔ عناصر کی ترتیب نہ صرف اس کے ظاہری حسن و قبح پر اثر انداز ہوتی ہے بلکہ باطنی صفات بھی اسی کی مرہونِ منت ہوتی ہیں۔ ہر ذات کرشمہ ہے انھی عناصر کا۔ ہر نفس انھی کی وجہ سے اپنی راہیں متعین کرتا ہے۔ لہٰذا طے ہوا کہ ہر انسان، ہر ذی روح اور ہر نفس ایک دوسرے سے مختلف ہے اور اس کی ذات کا پرتو بھی دوسروں کو متاثر کرتا ہے۔ زندگی کا تصور ہی طریق کا تعین کرتا ہے۔ چنانچہ لوگ مستفید ہوتے ہیں ایسی شخصیات سے جن کا تصورِ حیات ارفع ہوتا ہے، جن کا طرزِ عمل ممتاز ہوتا ہے۔ یہ بات بھی بڑی عجیب ہے کہ جب ہم کسی سے متاثر ہوتے ہیں تو یہ اثر پذیری ہماری سوچ کو بدل دیتی ہے۔ اور سوچ کے سایے ہمیں نئی منزلوں سے آشنا کر دیتے ہیں۔ بصیرت ہمیں شعور کی نئی دنیا بسانے پر اکساتی ہے۔ بصیرت من کا نور ہے جو علم سے حاصل ہوتا ہے اور صحبتِ صالح اسے صیقل کرتی ہے بشرطیکہ متاثر ہونے کی صلاحیت موجود ہو۔

بقولِ عبدالحمید عدم

Marfat.com

تیری محفل میں بیٹھنے والے
کتنے روشن ضمیر ہوتے ہیں

والد صاحب کی صحبت میں بیٹھنے والے بہت سے روشن ضمیر لوگوں میں مولوی امان اللہ صاحب دھریجہ اور چودھری عبدالرشید صاحب کے علاوہ اور بہت سے دوسرے اصحاب نورِ ہدایت کو پھیلانے کا باعث ہیں ۔ اور اس طرح عقیدت مندوں کا دائرہ وسعت پا رہا ہے ۔ روشن ضمیر احباب کا اجتماع ہوتا ہے اور وہ بابا محمد سلیمان قلندر کو یاد کرتے ہیں ۔ ۱۹۹۵ء سے ہر سال باقاعدگی سے عرس مبارک منعقد ہوتا ہے ۔ لوگ اُن کی صفات بیان کرتے ہیں ۔ اُن کے مزار پر چادر پوشی کرتے ہیں اور دعا مانگتے ہیں ۔ لاہور ، ملتان ، احمد پور شرقیہ ، لیاقت پور ، خانپور ، سردار گڑھ ، کھائی خیر شاہ ، دیگی بنگلہ ، گڑھی اختیار خان ، بہاول پور ، بہاولنگر ، صادق آباد ، رحیم یار خاں وغیرہ علاقوں سے محبت کے متلاشی تشریف لاتے ہیں ۔ مولوی امان اللہ صاحب اور منیر دھریجہ صاحب اپنے مکتبہ سے اشتہارات اور دعوت نامے چھپواتے اور تقسیم فرماتے ہیں ۔ لنگر عام ہوتا ہے جس میں بہت اچھا کھانا پکوایا جاتا ہے ۔ ہر سال حضرت صاحبزادہ سید مظہر سعید کاظمی سجادہ نشین درگاہ عالیہ سعیدیہ کاظمیہ ملتان شریف صدارتی خطبے کے لیے تشریف لاتے ہیں ۔ آپکے علاوہ ایک سال جناب صاحبزادہ ارشد سعید کاظمی شیخ الحدیث جامعہ انوار العلوم ملتان بھی تشریف لائے ۔ مقامی علماء میں مولانا غلام ابوبکر صاحب اور مولانا مختار احمد غوثوی صاحب عرس میں شرکت کے لیے ہمیشہ تشریف لاتے ہیں ۔ پروگرام کے مطابق جامع مسجد انوارِ خضرا ماڈل ٹاؤن بی میں صبح کے وقت قرآن خوانی ہوتی ہے ۔ ظہر تا عصر لنگر تقسیم ہوتا ہے ۔ بعد نمازِ ظہر نعت خوانی اور علماء کا خطاب ہوتا ہے ۔ اور بعد نمازِ عصر مزارِ مبارک پر چادر پوشی کی رسم ادا کی جاتی ہے ۔ چادر پوشی کے بعد رخصت و روانگی کی اجازت عام ہوتی ہے ۔ ☆☆

Marfat.com

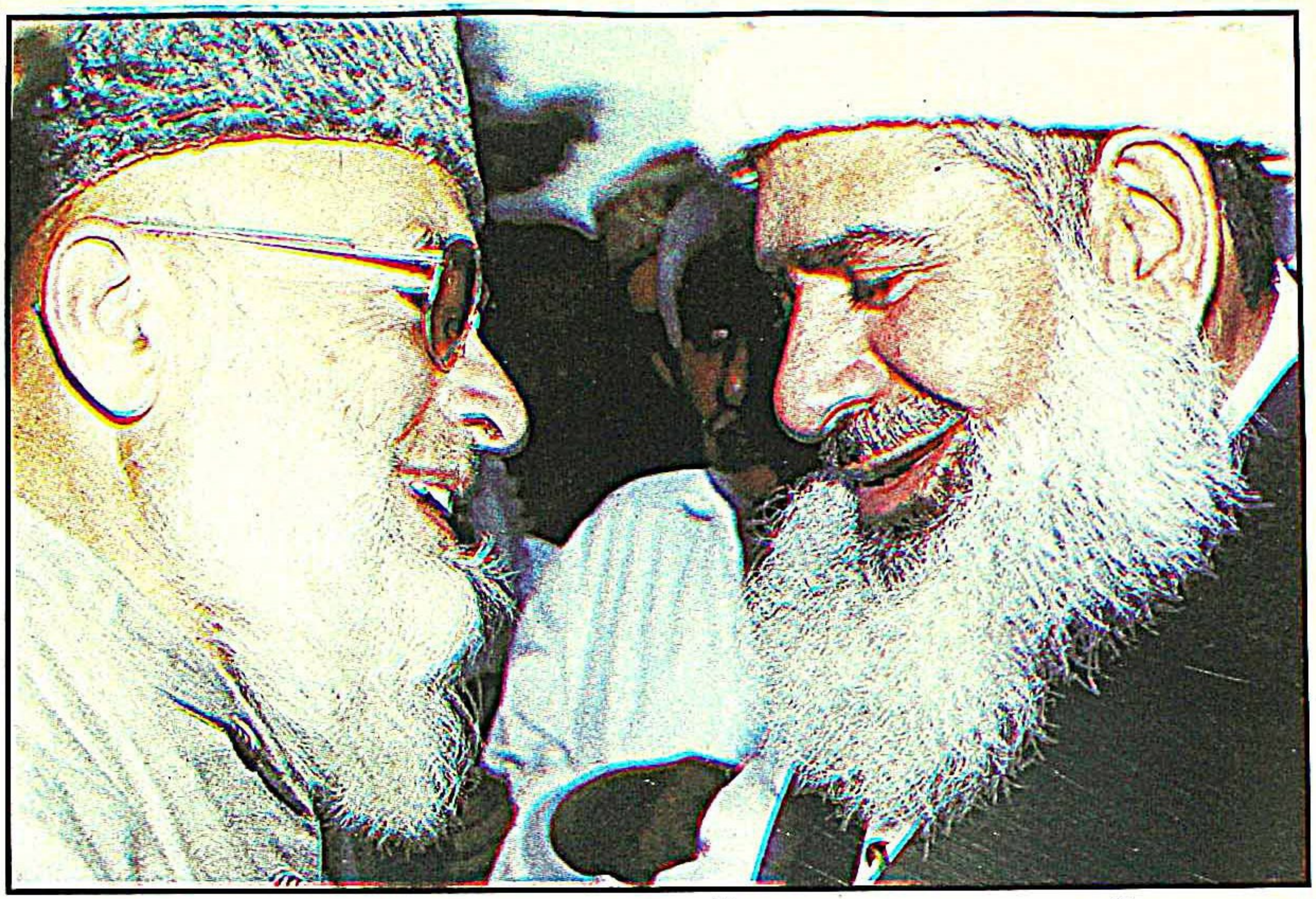

باباشاہ سلیمانؒ کے عرس کے موقع پر حضرت صاحبزادہ مظہر سعید کاظمی مدظلہٗ اور صاحبزادہ طارق علی احمد ابن باباشاہ سلیمانؒ مصروف گفتگو ہیں

Marfat.com

Marfat.com

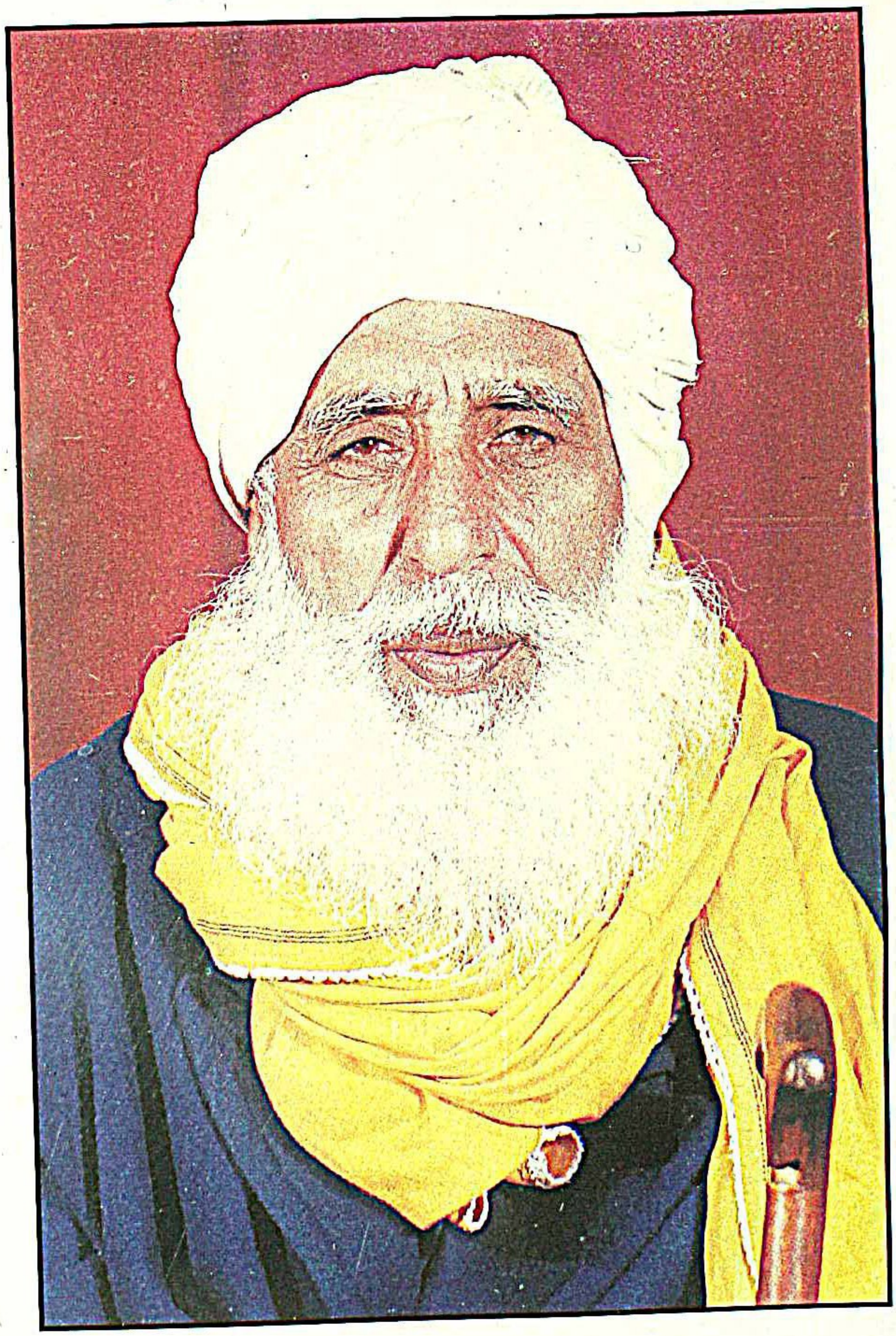

صوفیٔ باصفا حضرت مولانا شاہ امان اللہ خان دھریجہ
خان پور

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ارشادات قلندر

حضرت بابا محمد سلیمان چشتی صابری بہاولپوریؒ

از رشحاتِ قلم حضرت مولانا امان اللہ خاں دھریجہ

خلیفہ اکبر جناب بابا صاحب قلندرؒ

مجھے صاحبزادہ طارق علی احمد صاحب سجادہ نشین درگاہِ عالیہ حضرت بابا محمد سلیمان صاحبِ قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے حکم دیا ہے کہ چونکہ میں بابا صاحب کے قریب رہا ہوں اس لیے ان کے بارے میں جو روایات، مشاہدات و براہین مجھے معلوم ہیں وہ قلمبند کروں تاکہ بابا صاحب کے حالاتِ زندگی، خصوصاً ارشاداتِ گرامی، پر ایک کتاب تحریر کی جا سکے۔ اس لیے میں تعمیلِ ارشاد میں اس عظیم بزرگ و مردِ قلندر کے بارے میں جو صحیح اور مستند روایات مجھے معلوم ہیں قلمبند کر رہا ہوں۔

Marfat.com

میری ملاقات حضرت بابا سے کس طرح اور کیوں ہوئی اس سلسلے میں مجھے تھوڑا سا اپنا احوال بیان کرنا ہوگا۔ تھوڑا سا اس لیے کہ اگر میں تمام حالات بیان کرنا شروع کر دوں تو یہ میری سوانح عمری بن جائے گی۔ اپنے مختصر حالات بھی اس لیے لکھنے پڑ رہے ہیں تا کہ ہم بابا صاحب تک پہنچ پائیں ورنہ اُنھیں پہچاننا بھی مشکل تھا کیونکہ آپ اخفا کو پسند فرماتے تھے اور اظہار کو سخت ناپسند۔ چنانچہ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

مجھے بچپن ہی سے اولیائے کرام سے عقیدت و محبت ہے کیونکہ مجھے صحبت ہی ایسے استادِ محترم کی نصیب ہوئی تھی جو اولیائے کرام کے حالات کے بیان کے ساتھ ساتھ ان کی تعریف و توصیف بھی کرتے جاتے تھے اور ان کی کرامات کا ذکر بھی فرماتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ میں اس وقت دس سال کا تھا اور ایک روز استادِ محترم کی محفل میں موجود تھا۔ آپ فرما رہے تھے کہ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کا قلبِ مبارک نیند میں بھی جاری رہتا تھا اور جاگتے ہوئے لوگ بھی یہ آواز سنتے تھے۔ بس وہ دن میرے لیے بہت مبارک ثابت ہوا جب میرے دل میں شدید شوق پیدا ہوا کہ اب میں کسی ولی کامل کا مرید ہو کر یہ اعجاز حاصل کروں گا۔

مختصر یہ کہ میں نے عربی فارسی کا علم خوب حاصل کیا اور صوفیائے کرام کی کتابیں پڑھیں اور پھر بائیس سال کی عمر میں ریاضت شروع کر دی۔ میں بزرگوں کے مزاروں کے علاوہ زندہ سجادہ نشینوں کے پاس جاتا رہا۔ یوں بارہ سال گزر گئے لیکن کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ آخر دل میں وسوسہ پیدا ہوا کہ جو لوگ علمِ سلوک اور علمِ تصوف کا انکار کرتے ہیں وہ سچے ہیں۔ ورنہ بارہ سال کی شدید ریاضت کے بعد تو مجھے کچھ ملنا چاہیے تھا۔ ارادہ کیا کہ اب بریلوی مسلک سے ناطہ توڑ کر دیوبندی حضرات سے تعلق قائم کر لوں کیونکہ اگرچہ بریلوی حضرات کے مطابق زندہ ولیوں سے بھی فیض ملتا ہے اور مزار والوں سے بھی۔ لیکن مجھے تو کہیں سے بھی کچھ نہ ملا۔

الحقُ ما کانَ مُطابقا لِلواقعۃِ ط

(سچ وہ ہوتا ہے جو واقعہ کے مطابق ہو)

چنانچہ میں گھر سے نکل پڑا کہ آج سے دیوبندی حضرات سے رابطہ شروع اور بریلوی حضرات سے ختم۔ اس زمانے میں جمعہ کے روز دکانیں اور کاروبار بند ہوتا تھا۔ جب میں خانپور شہر کے بازار میں پہنچا مجھے ایسے محسوس ہوا کہ کوئی مجھے آواز دے رہا ہے کہ ''اے بندۂ خدا یہ کیا کر رہے ہو۔ پہلے خود میں جھانکو۔ ممکن ہے ابھی تمھی میں کوئی خامی ہو''۔ بقولِ شاعر:

ہم اُن کے اجتناب کو کیا دوش دیں سہیلؔ ہم کو خود اپنا جذبۂ دل خام سا لگا

یہ سن کر میں ایک دکان کے تھڑے پر بیٹھ گیا۔ اور سوچنے لگا کہ یا اللہ یہ کیا آواز تھی جو مجھے سوچنے پر مجبور کر گئی۔ خیر میں غور کرتا رہا کہ بات تو درست ہی کہی گئی ہے۔ لیکن اب تو معاملہ ہی ہدایت و گمراہی کا ہے۔ کونسا راستہ اختیار کیا جائے؟

اسی اثناء میں دوسری آواز آئی کہ ''اے اللہ کے بندے کیا تو نے اھدِ نا الصّراط المُستقیم نہیں پڑھا یعنی یہ کہ اللہ ہمیں سیدھے راستے پر چلا اور ہماری رہنمائی کر۔ بس جاؤ بعد نمازِ عشاء اس کی ۴۱ تسبیح پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو۔ یہ دعا خود ربِ تعالیٰ نے سکھائی ہے۔ اسی طرح ۴۱ رات پورا عمل کرو۔ اس سے اللہ تعالیٰ تمھارے لیے ہدایت کے دروازے کھول دے گا اور صحیح مسلک کی طرف تمھاری رہنمائی ہو جائے گی۔ آگے والا مسئلہ تمھاری استعداد کے مطابق یا اپنی خامیاں دور کرنے سے حل ہوگا۔ بہر حال اپنی راہِ ہدایت کا تعین کر لو۔''

اس آواز کو سن کر میں مزید حیران ہوا کہ یہ کیسی آواز ہے جو میرے لیے ایک اچھی رہنمائی بھی ہے۔ چنانچہ میں نے واپس آ کر اسی طرح کیا۔ اس کے بعد راہِ ہدایتِ شریعت و طریقت مجھ پر واضح ہوگئی۔ لیکن اس کی تفصیل بہت طویل ہے۔

Marfat.com

اب بھی میں جس چیز کا طلبگار تھا اس سے کوسوں دور تھا۔ لیکن طلبِ صادق موجود تھی۔ اب میں نے ارادہ کیا کہ ریاضت ترک کر دینی چاہیئے اور حالاتِ زمانہ کے مطابق روزی کا مسئلہ حل کیا جائے۔ میں مایوس نہیں تھا کیونکہ راہِ ہدایت کی نشاندہی ہو چکی تھی۔ تاہم میرا خیال تھا کہ ابھی مکمل رہنمائی میں بہت دیر ہے۔ بہر حال بعد نماز عشا اکیلے میں بیٹھ کر میں نے اللہ کریم سے دعا کی کہ یا اللہ میں نے حسبِ توفیق اپنی استطاعت کے مطابق تیری معرفت کی خاطر محنت و کوشش کی ہے لیکن میری رہنمائی کسی نے نہیں کی۔ اگر تیری بارگاہ میں میری محنت منظور ہے تو کوئی اپنا ولی بھیج دے جو میری رہنمائی کرے۔ میں نے بہت تلاش کیا لیکن کوئی نہ مل سکا یا اگر کوئی ملا بھی تو اس نے مجھے قبول نہیں کیا۔ گویا میری ہستی سراپا صدا بن چکی تھی اور میری روح پکار رہی تھی کہ:

تو ہی کسی منزل سے صدا دے اب تو ہمیں ہم کو تو چلتے چلتے صدیاں بیت گئیں

اب میں ریاضت ترک کر چکا تھا۔ اور رزق کے لیے دعا مانگ رہا تھا۔ کرنا خدا کا یہ ہوا کہ اگلی صبح بہاولپور سے ایک آدمی مجھے لینے آ گیا کہ ایک نیا اخبار، روزنامہ ''دستور'' جاری ہوا رہا ہے وہاں کاتبوں کی ضرورت ہے آپ چلیں۔ چنانچہ میں اس کے ہمراہ بہاولپور چلا گیا۔ واضح ہو کہ زمانہ طالبعلمی ہی میں میں نے فنِ کتابت سیکھ لیا تھا۔ لاہور میں جناب محمد حسین و احمد حسین مایہ ناز خوشنویس تھے۔ میں نے انھی اساتذہ سے کتابت سیکھی تھی تاکہ یہ ہنر آئندہ چل کر میری زندگی میں میرے کام آ جائے۔ سو وہ اب کام آ رہا تھا۔ یہاں میں یہ عرض کرتا چلوں کہ تذکرہ نوشہ گنج بخش مطبوعہ ۱۹۷۸ کے صفحہ ۱۸۰ پر حضرت شریف احمد شرافت نوشاہیؒ لکھتے ہیں کہ انھوں نے کتابت نسخ و نستعلیق مولوی محمد حسین مبارک رقم سے سیکھی تھی۔ میں اب اخبار ''دستور'' بہاولپور میں بطور کاتب ملازم تھا۔ روزمرہ کا کام جاری تھا۔ روحانی ریاضت ختم کر چکا تھا لیکن طلب باقی تھی اور رات دن اسی کی لگن لگی رہتی تھی۔ بقولِ شاعر:

Marfat.com

ترکِ وفا کی ہم نے ٹھانی تھی لیکن　　زلف کے خم سے نکلتے صدیاں بیت گئیں

رات دن قلبی رجحان اسی طرف تھا۔ دفترِ اخبار کے سامنے ووکیشنل سکول کا دفتر تھا۔

پہلی ملاقات

ایک دن میں حسبِ معمول کام کر رہا تھا کہ ایک آدمی آیا اور کہا کہ ایک بزرگ اس سامنے والے دفتر میں آئے ہیں وہ آپ کو بلا رہے ہیں۔ میں وہاں پہنچا اور سلام کر کے بیٹھ گیا۔ میں نے کھانے کی ایک ضیافت پر ان کو دیکھا ہوا تھا لیکن نام معلوم نہیں تھا۔ انھوں نے بھی دیکھا ہوا تھا لیکن شاید ان کو بھی میرا نام معلوم نہ ہو۔ بس اس کے سوا کوئی اور تعارف نہ تھا۔

آپ نے فرمایا:

''یہ لو اس کپڑے کی تھیلی کو کھولو اس میں جو کچھ ہے اس کو پڑھو۔''

میں نے اسے کھولا تو اس میں بزرگوں کی طرف سے آپ کے لیے سندات اور خلافت نامے وغیرہ تھے۔ میں نے وہ پڑھے تو حیران رہ گیا کہ بظاہر تو ایسے لگتے نہیں تھے کیونکہ بہت سادہ لباس، سادہ طبیعت کے آدمی تھے۔

فرمایا: ''پڑھ لیے؟''

میں نے کہا ''ہاں حضرت پڑھ لیے۔''

فرمانے لگے: ''بات یہ ہے کہ فقیر دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جن کو ارشادِ خلق کا حکم ہوتا ہے۔ ان کو خرقہ خلافت اور سندات دیے جاتے ہیں تا کہ اگر ان پر کوئی اعتراض کرے تو وہ دکھا سکیں کہ میرے پاس بزرگوں کی طرف سے اجازت نامہ و خلافت نامہ ہے۔ دوسرے فقیر وہ ہوتے ہیں جن کو مخفی رہنے کا حکم ہوتا ہے۔ ان کے لیے یہ سندات وغیرہ نہیں ہوتے اور نہ بزرگ ان کو عطا کرتے ہیں۔ مجھے حکم ملا تھا کہ تم نے مخفی رہنا ہے اور ساتھ یہ سندات اور خلافت نامے وغیرہ بھی دیے گئے۔ میں حیران تھا کہ ایک طرف

مخفی رہنے کا حکم ہے اور دوسری طرف خلافت نامے عطا ہو رہے ہیں۔ بات سمجھ سے بالاتر ہے۔ اور اب تک یہ راز نہ کھل سکا۔ لیکن اب یہ راز کھل گیا ہے کہ آپ کو قائل کرنے کے لیے دیے گئے تھے۔''

میں نے کہا: ''حضرت! اس میں میری کیا تخصیص ہے۔''

فرمایا: ''آپ اگر مجھے دیکھتے تو کیا آپ کو یقین ہوتا کہ یہ ولی ہے۔''

میں نے کہا: ''بظاہر تو ایسی ہی بات ہے۔''

فرمایا: ''اسے پڑھ کر تو یقین آ گیا ہے کہ نہیں؟''

میں نے کہا: ''یقین آ گیا ہے۔ لیکن اس میں مجھے یقین دلانے کی ضرورت کیا ہے جبکہ آپ کو مخفی رہنے کا حکم ہے؟''

فرمایا: ''ہاں۔ بات یہ ہے کہ آپ نے ایک رات بارگاہِ الٰہی میں دعا کی تھی کہ یا اللہ میری محنت اگر تجھے قبول ہے تو کوئی اپنا بندہ میرے پاس بھیج دے ورنہ میں تھک گیا ہوں اور مجھے کوئی نہیں مل رہا۔ وہ دعا قبول ہوگئی۔ میں حاضر ہو گیا ہوں۔''

اللہ اکبر! میں چونکا کہ یہ دعا تو میں نے دھریجہ نگر میں مانگی تھی ان کو کیسے پتہ چل گیا۔ واقعی شیخ ضرور کامل، صاحبِ مشاہدہ و مکاشفہ ہے۔ اب دل کو قدرے سکون آ رہا تھا۔ ایک تو تسلی ہوئی کہ اللہ کی ذات بہت کریم ہے اس نے میری محنت و ریاضت قبول کر لی ہے۔ دوسرے یہ کہ اُس نے اپنا ایک نیک بندہ میرے پاس بھیج دیا ہے۔ اور ان کا قبول کرنا بھی بڑی بات ہے۔

قبولِ اہلِ دل است سعادتِ کونین

فرمایا: ''بات سمجھ میں آ گئی ہے یا نہیں؟''

میں نے کہا: ''سرکار! بات سمجھ میں آ گئی ہے۔ الحمدللہ!''

فرمایا: ''مجھے تو حکم یہ ہوا ہے کہ آپ کی دستار بندی کرا کر خلافت نامہ دے دیا جائے

Marfat.com

۔باقی کام بعد میں ہوتے رہیں گے۔ میں فلاں تاریخ کو آپ کے مکان پر آؤں گا اور یہ امر پورا کروں گا۔''

میں نے عرض کیا کہ ''حضرت! یہ امر کہاں سے ہوا ہے؟''

فرمایا: ''ابھی بتانے کی اجازت نہیں ہے۔ جب اجازت مل گئی تو پوری تفصیل سے بتا دوں گا۔

میں نے عرض کیا: ''حضرت! میرے مکان پر تو بہت سے لوگ ہوتے ہیں۔ اس لیے مجھے کہیں خلوت میں خلعت عطا کر دی جائے تو بہتر ہوگا۔ اس حال میں صاحبِ دستار ہونے پر مجھے شرم آ رہی ہے۔ میں ایک ملازم و مزدور آدمی ہوں۔''

آپ نے فرمایا: ''بھائی! آپ کو ایک دن ارشاد کا حکم ہوگا۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ وقت کی بات ہے۔ لیکن آپ کی بات مان لیتا ہوں۔ فلاں جگہ فلاں مکان میں یہ رسم ادا کی جائے گی۔ آپ وہاں بر وقت پہنچ جانا۔ ہاں دیکھو دستار میں خریدوں گا اور تقسیم کے لیے مٹھائی کا بھی میں ہی اہتمام کروں گا کیونکہ مجھے حکم ہوا ہے۔ آپ کو صرف خالی ہاتھ آنا ہوگا۔''

مقررہ تاریخ و وقت پر ایک صاحب کے ساتھ میں وہاں پہنچ گیا۔ ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ تھی۔ شہر میں میلاد النبی ﷺ کے جلوس نکل رہے تھے اور بڑی رونق تھی۔ حضرت کے پاس بھی ایک صاحب تشریف فرما تھے۔ اب کارروائی شروع ہوئی۔ وضو کر کے دو نفل شکرانہ آپ نے بھی ادا کیے اور میں نے بھی۔ دعا مانگی گئی اور آپ نے ابھی ایک سرا دستار کا میرے سر پر رکھا ہی تھا کہ ایک منظر میرے سامنے آ گیا۔ بالکل ایسے جیسے ٹی وی کی سکرین پر کوئی منظر چل رہا ہو۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت شیخ المشائخ قطب الاقطاب غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ چند اولیائے کرام کے ساتھ جلوہ افروز ہیں اور دستِ مبارک سے اشارہ فرما رہے ہیں کہ ٹھیک ہو رہا ہے۔ میں سمجھ گیا کہ حکم بھی

Marfat.com

یہیں سے ملا ہوگا۔ بعد فراغت دعا کی گئی اور مجھے رخصت کر دیا گیا۔

اب میرے قلب کی حالت بدل چکی تھی۔ ہر وقت ذکر جاری رہتا تھا۔ حتیٰ کہ میں نیند سے بیدار ہوتا تو بھی ذکرِ قلبی جاری رہتا۔ یہ کیفیت روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ الحمد للہ علیٰ کل حالہ۔ یہ شیخ کی کرامت تھی۔ نہ میں ان کے سامنے دوزانو ہوا نہ ان کے وظائف پڑھے۔ کچھ بھی نہیں کیا۔ لیکن شیخ کی ایک نظر نے مجھے ابدی سکون بخش دیا۔ اللہ اکبر!

بقول علامہ اقبال:

فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے

میں جب رفعِ حاجت کے لیے جاتا تو بھی قلب کی کیفیت وہی ہوتی۔ میں ڈر گیا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ یہ بے ادبی ہے۔ کیا کیا جائے۔ لیکن میں صاحب علم تھا۔ اپنی سوچ کے مطابق یہ فیصلہ کیا کہ مجبوری ہے۔ ذکرِ قلبی کا تعلق باطن سے ہے۔ اور یہ معاملہ ظاہر سے تعلق رکھتا ہے۔ لہذا مجبوراً جائز ہوگا۔ لیکن معاملہ شیخ کے حضور پیش کروں گا۔ دیکھیں وہ کیا فرماتے ہیں۔

میں ان کے حضور میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ''حضرت میں آپ کا شکریہ ادا کرنے آیا ہوں کہ آپ نے اس ناچیز اور عاجز کو نوازا ہے۔ آپ کی بہت بہت مہربانی اور بے حد شکریہ۔''

آپ نے فرمایا: ''کاہے کا شکریہ۔ آپ نے محنت کی ہوئی تھی۔ دیا موجود تھا، سلائی موجود تھی۔ میں نے سلائی جلا کر دیا روشن کر دیا۔ میں نے کونسی محنت کی ہے۔''

میں نے کہا: ''بہر حال آپ کی بہت بہت کرم فرمائی ہے۔'' پھر ایک وقفے کے بعد میں نے عرض کیا: ''حضور! مجھے ایک پریشانی ہے کہ رفعِ حاجت کے لیے جاتے وقت بھی قلب کا یہ ذکر جاری رہتا ہے۔ اس کا کیا کیا جائے۔''

آپ نے فرمایا: ''ظاہر و باطن میں بہت فرق ہے۔ قلب کو آپ کے ظاہر سے کیا تعلق

Marfat.com

۔اس باطنی فرق کی وجہ سے کوئی بے ادبی نہیں ۔ بہر حال آپ کو مبارک ہو۔ یہی فقر ہے کہ یاد الٰہی ہر وقت ہو۔ کشف و کرامات فقر میں شامل نہیں اور نہ ہی ضروری ہیں ۔ ان کے اسرار و مقاصد اور ہیں ۔''

ایک دن حضرت کا فرستادہ ایک آدمی میرے ہاں آیا اور کہا:

'' مجھے بابا صاحب نے بھیجا ہے کہ آپ نے ایک دن پوچھا تھا کہ آپ کو یہ حکم کہاں سے ملا ہے اور بابا صاحب نے فرمایا تھا جب اجازت مل جائے گا تو بتا دیا جائے گا۔اب اجازت مل گئی ہے ۔لہذا حضرت نے مجھے آپ کو بتانے کے لیے بھیجا ہے ۔ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ حکم اور منظوری اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے ۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو دیتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ حضرت علیؓ کو دیتے ہیں اور وہ کسی صاحبِ سلسلہ شیخ کو ۔لہذا یہ معاملہ بھی اسی طرح ہوا اور حضرت علیؓ نے حضرت غوثِ اعظم جیلانیؒ کو یہ حکم دیا۔ بابا صاحب نے فرمایا ہے کہ اب شیخ نے مجھے یعنی محمد سلیمان چشتی صابری کو اس کے لیے حکم دیا تھا اور جو کچھ میں نے کیا حضرت محبوبِ سبحانی قطب ربانی کے حکم سے کیا ہے ۔ شکر ہے کہ انھوں نے اس کام کے لیے مجھے منتخب فرمایا۔

''تفصیل کچھ یوں ہے کہ میں نے مراقبہ کیا ۔ اور مراقبے میں بغداد شریف پہنچا تو حضرت عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا '' سلیمان ! آپ نے میرے حکم کی تعمیل کی ۔ میں آپ سے بہت خوش ہوں ۔آپ نے ایک حقدار کو اس کا حق ادا کر دیا ہے ۔'' پھر میں نے مراقبے میں پاک پتن شریف کا رخ کیا تو بابا فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مبارک باد پیش کی اور فرمایا بہت اچھا کیا آپ نے ۔ پھر مراقبہ اجمیر شریف کی طرف کیا تو حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ نے بھی مبارک باد دی اور فرمایا بہت خوب۔ ''اب تینوں اولیائے کرام سے اجازت ملی ہے کہ آپ کو بتا دیا جائے ۔''

اس لیے بابا صاحب نے آدمی بھیج کر حسبِ وعدہ بتا دیا کہ کہاں سے حکم ہوا ۔ ویسے

دستار باندھتے وقت جو منظر دیکھا تھا اس سے مجھے یقین ہو گیا تھا کہ حضرت شیخ کا زیارت کرانا اور ہاتھ کے اشارے سے مجھے کہنا کہ صحیح اور صائب ہو رہا ہے، لہذا حکم بھی یہیں سے ہوا ہو گا۔

بات چل نکلی ہے تو عرض کرتا جاؤں کہ حضرت محبوبِ سبحانی کی شفقت ویسے بھی محسوس ہوتی ہے اس لیے کہ ہمارا خاندان قدیم سے جیلانی حضرات کا مرید چلا آ رہا ہے۔ سندھ میں حضرت مبارک شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے۔ وہ روحانی طور پر مجھ پر بہت مہربان ہیں۔ بہت سے واقعات ایسے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ مزار شریف سے مجھ پر جو مہربانیاں ہوئی ہیں انھیں شمار میں لانا مشکل ہے۔ حتیٰ کہ ایک دفعہ مشرف بہ زیارت کیا تو فرمایا کہ ''میں تجھے اپنی اولاد میں شمار کرتا ہوں۔'' بھلا اس سے بڑھ کر مجھے اور کیا چاہیے۔

یہ تھے مختصر حالات جو حضرت بابا محمد سلیمان رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات اور صحبت کا باعث بنے۔ بلکہ یہ کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ مجھ جیسے حقیر انسان کو ایسے مردِ قلندر سے ملا دیا۔

ع..... اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں

اس لحاظ سے میں اُن کا اجتبائی (پسندیدہ) ٹھہرا اور وہ میرے لیے اجتبائی۔ اس وقت سے مجھے شرفِ صحبت حاصل ہوتا رہا۔ وقتاً فوقتاً آتے جاتے کچھ نہ کچھ کرم ہو جاتا تھا۔

ایک دن آپ نے بطورِ خاص میرا نام دریافت فرمایا۔ میں حیران تھا کہ آج کیوں پوچھ رہے ہیں کیونکہ نام تو انھیں معلوم ہی ہے۔ خیر میں نے کہا:

''حضور میرا پیدائشی نام امان اللہ ہے۔''

آپ نے فرمایا: اچھا تُو امان اللہ خان والی افغانستان ہے۔ پھر میں جب بھی جاتا تو آپ فرماتے ''خان صاحب آ گئے ہیں۔'' میں کہتا ''ہاں حضور آ گیا ہوں۔'' اُس دن

Marfat.com

سے میرا لقب 'خان صاحب' پڑ گیا۔ اب حضرت کے خانوادے کے سبھی لوگ مجھے خان صاحب کہہ کر پکارتے ہیں۔ کسی کو میرا پیدائشی نام شاید ہی معلوم ہو۔ جب اُن کے پاس جاؤں وہ سب کہتے ہیں خانصاحب آ گئے ہیں۔ یہ بھی انھی کی مہربانی ہے۔

ویسے تو ہر ولی کی صحبت میں کچھ نہ کچھ مل ہی جاتا ہے۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم دعائیں تو ضرور شاملِ حال ہو جاتی ہیں۔ بعض اہل اللہ سے خرق عادات و کرامات و مکاشفہ کا ظہور ہوتا ہے۔ لیکن بابا صاحب اس معاملے کو پسند نہ فرماتے تھے کیونکہ آپ مخفی اولیاء اللہ میں سے تھے۔ آپ کی ولایت درجِ ذیل دلائل و براہین سے واضح ہے جو وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتی رہتی تھیں۔

برہان ا..... ولایت

جب ایک دفتر میں میری ملاقات آپ سے ہوئی اور آپ نے اپنی سندات و خلافت نامہ مجھے دکھایا تو اس گفتگو میں آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ

''تم نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ یا اللہ اگر تیرے حضور میں میری محنت قبول ہے تو کوئی اپنا ولی خود بھیج دے۔ میں تو تھک گیا ہوں۔ مجھے کوئی رہنما نہیں مل رہا۔ یا اگر ہے تو مجھے قبول نہیں کر رہا۔''

میں نے کہا: '' ہاں حضور میں نے یہ دعا مانگی تھی۔''

آپ نے فرمایا: ''میں آ گیا ہوں۔'' سبحان اللہ وبحمدہٖ!

یہ دعا میں نے دھریجہ نگر علاقہ خانپور میں بعد نمازِ عشاء مانگی تھی اور اس وقت میں اکیلا تھا اور میرے آس پاس کوئی نہ تھا۔ اب آپ نے اس کا حوالہ دیا ہے۔ اس سے آپ کا مشاہدہ و مکاشفہ ثابت ہوتا ہے۔ نیز اس سے میری بھی تسلی ہوئی کہ میری دعا قبول ہوئی ہے اور وہ دعا اور طلب ایک ولی کے لیے تھی۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ تشریف لانے والا ایک ولی اللہ ہے۔

برہان ۲.....تصرف

جب آپ نے میری دستار بندی کرائی تو اس وقت قلب کی کیفیت بدل ڈالی جیسا کہ میں اوپر بیان کر آیا ہوں۔ سوتے جاگتے ذکرِ الٰہی جاری رہتا۔ حالانکہ آپ کا عطا کردہ کوئی وظیفہ میں نے پڑھا نہ آپ کے سامنے دوزانو بیٹھ کر کوئی سبق سیکھا۔ یہ آپ ہی کا تصرف ہے کہ قلب کو ذاکر بنا دیا۔

برہان ۳.....قبولیت

بوقتِ دستار بندی بزرگوں کی زیارت کا منظر دیکھا جن کے سربراہ حضرت غوث الثقلین محبوب سبحانی قطبِ ربانی حضرت پیرِ پیران تھے۔ یہ بابا صاحب کی قبولیت کا مظہر ہے کہ ایسے مشائخ ان کے ہاں تشریف لائیں اور شرفِ زیارت بخشیں۔ نیز میرے لیے حضرت محبوبِ سبحانیؒ کا فرمان ''کہ سلیمان میں آپ سے بہت خوش ہوں۔ آپ میرا حکم بجا لائے۔'' یعنی حضرت کا انتخاب حضرت محمد سلیمان ٹھہرے۔ یہ بھی برگزیدہ مشائخ میں آپ کی مقبولیت کی علامت ہے۔

برہان ۴.....ترکِ دنیا

اس نسبت کے بعد آپ کے پاس حاضری کا موقع ملتا رہتا تھا۔ ایک دن میں دو سیر پھل (کنو) خرید کر حضرت کے پاس آیا۔ آپ اُس وقت گھر میں تھے۔ ہم بیٹھک میں جا کر بیٹھ گئے۔ اطلاع کی گئی تو آپ تشریف لائے۔ کنو میز پر رکھے ہوئے تھے۔ ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

''یہ کون لایا ہے؟''

میں نے عرض کیا: ''حضور میں لایا ہوں کہ بابا صاحب کے ساتھ باتیں بھی کریں گے اور کنو بھی کھائیں گے۔''

Marfat.com

آپ نے پھلوں پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ یہ قبول ہو گئے ۔لیکن خانصاحب یہ واپس لے جانے ہوں گے ۔''

میں نے عرض کیا: ''سرکار! پھر تو یہ قبول نہ ہوئے ۔''

فرمایا: '' قبول ہو گئے ۔لیکن واپس اس لیے لے جانے ہیں کہ مجھے میرے شیخ نے فرمایا تھا کہ سلیمان ! آپ نے پوری زندگی کسی شخص سے ایک آنہ بھی نذرانہ نہیں لینا۔آج ۸۵ برس کی عمر میں بھی میں اس پر عمل پیرا ہوں ۔اب آخری عمر میں مجھے شیخ کا نافرمان نہ بناؤ۔''

میں نے کہا: ''حضور! بچوں کو دے دیں ۔''

آپ نے بڑی سختی سے منع کیا اور کہا: ''ایسا ہرگز نہیں ہوگا ۔ یہ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں کل کوئی اور آئے گا تو یہ معصوم بچے یہی توقع کریں گے کہ یہ بھی کچھ لایا ہوگا ۔اس سے بچوں کی عادت خراب ہو جائے گی ۔''

آخرِ کار ہم کنو واپس لے گئے ۔اس واقعے سے آپ کا بے لوث اور مخلص ولی ہونا ظاہر ہے ۔اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ دنیاوی لالچ اور طمع سے یکسر بے نیاز تھے ۔

برہان ۵ .....قبولیتِ سفارش

ایک دن میں حضرت کے پاس جا رہا تھا ۔اس روز مجھ پر خوفِ قبر اور خوفِ قیامت طاری تھا ۔قبر کے واقعات دہشت زدہ کر رہے تھے ۔قیامت کے روز بارگاہِ الٰہی میں پیش ہونا، حساب کتاب میں ناکامی ، پلصراط وغیرہ غرضیکہ طرح طرح کی ہولناکیوں نے دل و دماغ کو گھیر رکھا تھا ۔ میں سوچتا تھا کہ خبر نہیں میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا ۔ ہمارے اعمال تو ایسے نہیں ہیں کہ ان کے سہارے بخشے جائیں ۔غرض راستے بھر یہی خوف طاری رہا ۔ بابا صاحب کی مجلس میں پہنچے ۔ باتیں ہوتی رہیں ۔آخرِ کار اجازت لے کر رخصت ہو رہے تھے اور دروازے کی طرف چند قدم ہی چلے تھے کہ بابا صاحب نے بلایا:

Marfat.com

''خان صاحب! ادھر آؤ۔''

میں پلٹ کر ان کے نزدیک پہنچا تو انھوں نے فرمایا:

''آپ مجھ سے ایک وعدہ کریں کہ جو میں بتانے والا ہوں وہ کام آپ ضرور کر دیں گے۔''

میں نے کہا: ''حضور! وہ کام تو بتائیں۔ کیونکہ اگر میں وعدہ کرلوں اور وہ کام مجھ سے نہ ہو سکا تو جھوٹا قرار پاؤں گا۔''

آپ نے فرمایا: ''وہ کام آپ کر سکیں گے۔''

میں نے کہا: ''تو پھر حضرت! وعدہ ہو گیا۔ میں ضرور کروں گا۔''

آپ نے فرمایا: ''آپ یہ وعدہ فرمائیں کہ مجھے ہاتھ سے پکڑ کر جنت میں ساتھ لے جائیں گے۔''

میں سمجھ گیا کہ آج مجھ پر جو خوفِ قیامت طاری تھا یہ اس کا جواب ہے کہ میں اتنا خوفزدہ نہ ہوں میں آپ کو بخشوا کر جنت میں لے جاؤں گا۔ بات ذرا گول مول انداز میں کر رہے ہیں لیکن جواب اسی بات کا ہے۔

میں نے فوراً کہا: ''حضرت وعدہ ہو گیا۔ ان شاء اللہ ایسے ہی ہو گا۔''

پھر آپ ہنس پڑے۔ یوں آپ نے کشف کے ذریعہ دیکھ لیا کہ میں قیامت کے بارے میں بہت خوفزدہ ہوں۔ اور پھر انھوں نے سفارش کی منظوری بھی یقینی بنا دی کہ میں یہ کام یقیناً کر سکتا ہوں۔

برہان ۶ ..... مکاشفہ

ایک دفعہ میں حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا: ''خان صاحب! کہاں جانا ہے۔''

میں نے کہا: ''مہاجر کالونی بہاولپور نزد حمائتیاں۔''

فرمایا: ''خان صاحب! بھاگو بھاگو۔''

Marfat.com

واضح ہو کہ بابا صاحب کبھی کبھی مستی میں آ کر ایسے جملے کہہ جاتے تھے۔ میں اٹھ کر چل پڑا۔ راستے میں ایک دوست مل گیا۔ کہنے لگا چل یار ایک کپ چائے ہو جائے۔ میں نے کہا مجھے جلدی ہے۔ مجھے خبر تھی کہ بابا صاحب کا کہنا بے جا اور غلط نہیں ہو سکتا۔ لیکن مجھے اُس دوست نے زبردستی روک ہی لیا۔ میں چائے پی کر ویگن پر سوار ہوا۔ لیکن یہاں گھنٹہ بھر دیر ہو ہی گئی۔ راستے میں اتنی بارش شروع ہوئی کہ الاماں! ویگن سے جہاں اترا وہاں گھٹنوں گھٹنوں پانی تھا۔ منزل تک پہنچتے پہنچتے سب کپڑے بھیگ گئے۔ اگر راستے میں دیر نہ ہوتی تو بارش آنے سے پہلے پہنچ جاتا اور اتنی تکلیف نہ اٹھانا پڑتی۔ لیکن شیخ نے اپنے کشف سے بارش کا آنا دیکھ لیا تھا۔ اسی لیے مجھے وقت ضائع نہ کرنے کا کہا تا کہ بارش شروع نہ ہو جائے۔ اس واقعہ سے آپ کا کشف ثابت ہوتا ہے۔

برہان ۷.....توحید

ایک دفعہ فرمایا: ''خان صاحب! علامہ اقبال نے فرمایا ہے:

خضر کیونکر بتائے کیا بتائے　　اگر ماہی کہے دریا کہاں ہے

اس کا مفہوم کیا ہے؟''

میں نے کہا: ''سرکار یہ آپ ہی بتا سکتے ہیں۔ یہ تصوف کا ایک رنگ ہے۔''

فرمایا: '' یہ کائنات توحید کا ایک دریا ہے اور اس دریا میں مخلوق کی حیثیت مچھلی کی سی ہے۔ اب اگر مچھلی ہی یہ کہے کہ دریا کہاں ہے اور اسے پتہ نہیں کہ وہ دریا کے اندر ہی ہے تو خضر علیہ السلام اس کی رہنمائی کیونکر کر سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر مخلوق پوچھے کہ اللہ کہاں ہے تو اسے بھی سمجھ لینا چاہیے کہ وہ بحرِ توحید کے اندر موجود ہے لیکن بصیرت حاصل کرنا ہوگی۔''

(واضح ہو کہ یہ جو میں اپنی تحریر میں بار بار 'خان صاحب' کے الفاظ استعمال کر رہا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ میں وہی الفاظ دہرا رہا ہوں جو بابا صاحب مجھے مخاطب کرتے ہوئے

Marfat.com

بولتے تھے)

برہان ۸.....تصرفِ شیخ و مکاشفہ

میں اپنے گھر دھریجہ نگر میں تھا کہ علی الصباح میرے ایک ملنے والے سعید اکبر بہاولپور سے میرے ہاں پہنچے اور یوں گویا ہوئے:

''بابا صاحب بہت بیمار ہیں۔ ممکن ہے انکا انتقال بھی ہو چکا ہو۔ بڑی شدید تکلیف تھی انھیں۔ میں آپ کو اطلاع دینے آیا ہوں۔''

یہ سنتے ہی میں بہت پریشان ہو گیا اور ہم دونوں اسی وقت بہاولپور کے لیے روانہ ہو گئے۔ ہائی ایس پر سوار تھے۔ جب ہم خانقاہ شریف کے اڈے پر پہنچے تو مجھ پر استغراق طاری ہو گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میں بہاولپور پہنچ گیا ہوں۔ وہاں بابا صاحب کے مرشد حضرت فردِ عالم محمد حسین لاہوریؒ کھڑے ہیں۔ انکے ساتھ اور آدمی بھی ہیں۔ میں قدم بوس ہوتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ سرکار میری ایک استدعا ہے آپ پوری فرما دیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ بتائیں پوری کر دی جائے گی۔ میں نے کہا آپ نے بابا محمد سلیمان صاحب پر ایک پابندی لگا رکھی ہے کہ انھوں نے عمر بھر کسی سے ایک ٹکا بھی نذرانہ نہیں لینا۔ اس لیے وہ کسی عقیدت مند سے کچھ نہیں لیتے۔ اب جبکہ وہ مریض ہیں تو اس عالم میں بھی ان کی خدمت میں عقیدت مند کچھ پیش کریں تو وہ معذرت کر لیتے ہیں۔ اس لیے آپ انھیں اجازت عطا فرما دیں۔ آپ نے فرمایا آج سے اجازت ہے وہ نذرانہ لے لیا کریں۔

اب میں اِستغراق سے بیدار ہوا تو سوچا کہ یہ حقیقت ہے کہ محض خیال۔ جب میں بہاولپور پہنچا تو آپ اوپر چھت پر تھے۔ اطلاع ملنے پر ہمیں بلا لیا۔ دیکھا تو آپ بالکل صحت مند ہیں اور باتیں کر رہے ہیں۔ سعید اکبر اور میں حیران ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

آپ نے مجھ سے گھر اور اہل و عیال کی خیریت پوچھی۔

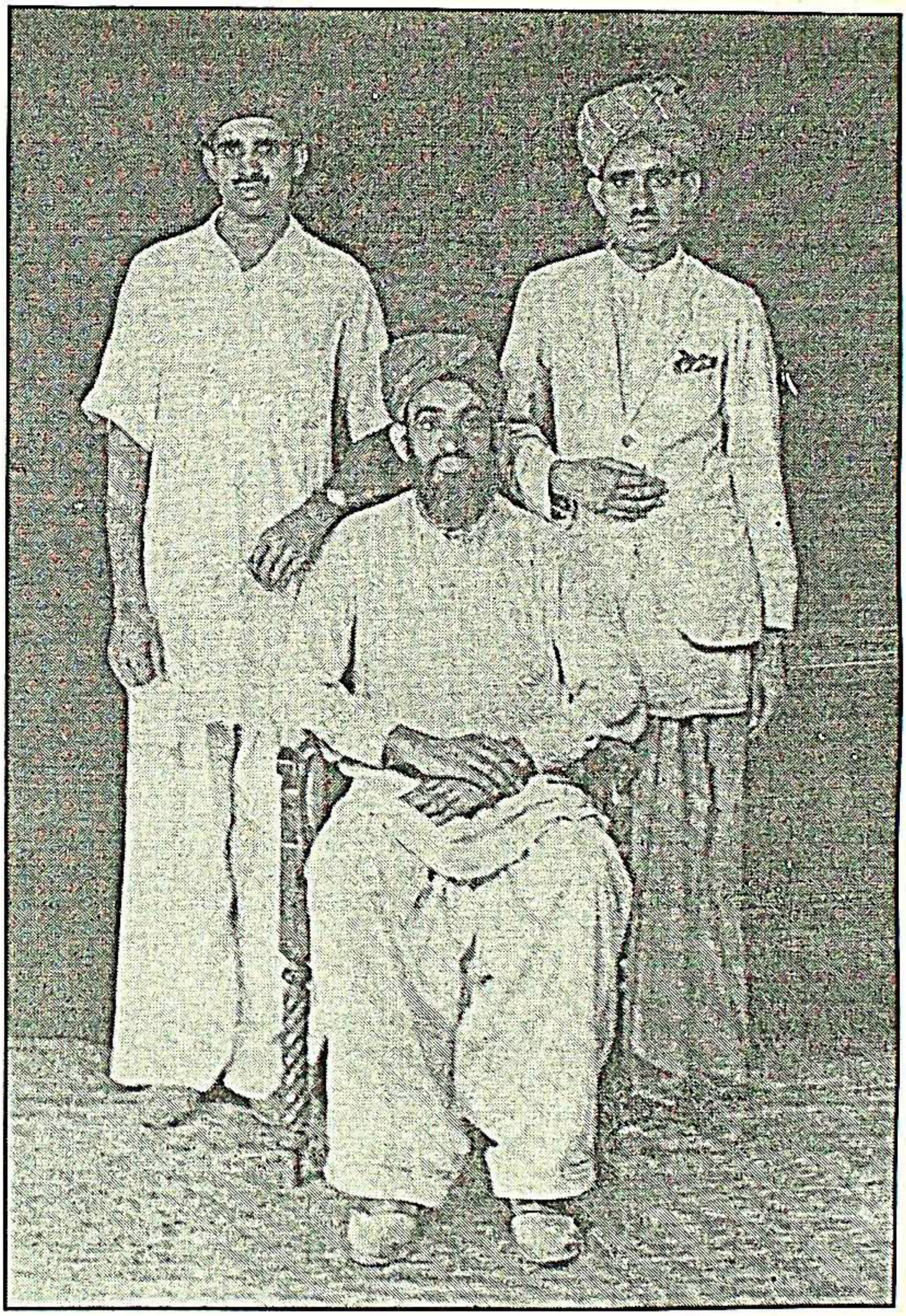

گروپ فوٹو فردِ عالم حضرت پیر محمد حسین شاہ چشتی صابریؒ
وصال ۲۶ رفروری ۱۹۵۳ء مزار مبارک بجوار حضرت ایشاںؒ لاہور
بائیں طرف آپ کے خلیفہ حضرت بابا محمد سلیمان قلندر چشتی صابریؒ
کھڑے ہیں۔ جن کا وصال ۵ رجون ۱۹۸۹ء کو ہوا۔ مزار مبارک
مسجد فاروق ماڈل ٹاؤن بی، بہاولپور کے ملحقہ قبرستان میں ہے۔
یہ فوٹو ۲۸ رستمبر ۱۹۴۱ء کا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

میں نے کہا: ''جی سب ٹھیک ہیں۔'' پھر میں نے عرض کی: ''سرکار! میرا ایک سوال ہے اور وہ یہ کہ مجھے کسی طرح معلوم ہوا ہے کہ آپ کے مرشد حضرت محمد حسینؒ بہاولپور میں موجود ہیں۔ کیا یہ سچ ہے۔''

آپ نے فرمایا: ''میں قریبِ مرگ تھا۔ ہو سکتا ہے کہ میرا انتقال ہو جاتا۔ میرے مرشد تشریف لائے اور میرے سینے پر ہاتھ پھیرا اور کہا 'اُٹھ سلیمان! کیوں سویا ہوا ہے'۔ بس میں بالکل تندرست ہو گیا۔ اب آپ کے سامنے ہوں۔ بالکل بخیریت۔ میرے مرشد اگر تشریف لا کر تصرف نہ فرماتے تو شاید میرا انتقال ہو جاتا۔''

میں نے کہا: ''ایک اور عرض ہے۔''

آپ اس پر مسکرا دیے۔ فرمایا: ''میں سمجھ گیا ہوں اب مجھے نذرانہ لینے کی اجازت مل چکی ہے۔ اب آپ جو بھی میری خدمت کریں گے میں قبول کروں گا۔ لیکن خان صاحب! میرے بیٹے برسرِ روزگار ہیں۔ اس بڑھاپے میں میری بہت خدمت کرتے ہیں۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ آپ کے نزدیک مجھ سے جو زیادہ مستحق ہیں آپ ان کی خدمت کریں۔ میرے لیے بھی جائز ہے لیکن اُن کی دیکھ بھال کریں تو بہتر ہے۔''

بات یہ تھی کہ اُس وقت تین یتیم بچے اور تین یتیم بچیاں جو سب بہن بھائی تھے میرے زیرِ کفالت تھے۔ ظاہری طور پر ان کا بابا صاحب کو علم نہ تھا۔ آپ نے کشف کے ذریعے معلوم کر لیا تھا کہ میرے پاس یتیموں کی پرورش ہو رہی ہے۔ ویسے بھی میری دوسری عرضداشت (نذرانے کے بارے میں) جو میں کرنا چاہتا تھا وہ پہلے ہی آپ نے بیان فرما دی کہ مجھے سب علم ہے جو آپ کہنا چاہتے ہیں۔

اس روایت سے صاحبِ مزار بزرگ حضرت محمد حسین لاہوریؒ کا روحانی تصرف ثابت ہوا۔ دوسری بات بابا صاحب نے کشف سے بتا دی۔

برہان ۹ .....مکاشفہ

Marfat.com

ایک دن میں اپنے اخبار کے دفتر سے واپس آ رہا تھا کہ سعید اکبر مل گئے ۔ مایوس سے دکھائی دے رہے تھے ۔ میں نے پرسشِ احوال کی تو کہنے لگے:

''میں آج بہت بے مزہ ہوا ہوں ۔ میں بابا صاحب کے پاس گیا تھا کہ کچھ دیر بیٹھ کر اُن کی دعائیں لے لوں ۔ لیکن جب میں وہاں پہنچا تو بابا صاحب نے فرمایا: 'اکبر! بھاگو بھاگو ۔' اس لیے میں وہاں سے مایوس ہو کر واپس آ رہا ہوں ۔''

میں نے کہا: ''مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں ۔ فقیر کے منہ سے نکلی ہوئی بات بے وجہ نہیں ہوتی ۔''

کہنے لگے: ''کیا وجہ ہو سکتی ہے؟''

میں نے کہا: ''کوئی بھی وجہ ہو سکتی ہے ۔''

وہ خاموش رہے ۔ اتنے میں اچانک بادل گرجے اور بارش شروع ہو گئی ۔ میں نے کہا ''لو وجہ سامنے آ گئی ۔''

اتنی سخت بارش ہوئی کہ ہم دونوں گھر پہنچتے پہنچتے اچھے خاصے بھیگ گئے تھے ۔ میں نے کہا:

''کچھ سمجھے کہ نہیں؟ اگر آپ وہاں بیٹھے رہتے تو پھر اس شدید بارش میں واپس آنے میں تکلیف ہوتی ۔ دیکھا کتنی شدید بلکہ تاریخی بارش ہے ۔ آپ یاد رکھیں ۔''

اس سے بھی بابا صاحب کا کشف ثابت ہوتا ہے ۔

برہان ۱۰ ..... واقعہ بعد از وفات

میرے بھتیجے منیر احمد کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو ساتویں دن نام رکھنے کی رسم ہوئی جسے چھٹی کہا جاتا ہے ۔ اس رات بہت سی خواتین جمع ہوتی ہیں اور بچے کا نام تجویز کیا جاتا ہے ۔ چنانچہ حسبِ معمول یہ رسم ادا ہو رہی تھی ۔ ہم مرد دور علیحدہ بیٹھے تھے ۔ چھوٹی سی خیرات کی تقریب بھی تھی ۔ خواتین میں نام رکھنے پر اختلاف ہو رہا تھا ۔ کوئی ایک نام تجویز کر رہی تھی

Marfat.com

اور کوئی دوسرا۔

اسی دوران میں بعد وفات بابا صاحب تشریف لائے اور فرمایا:

''خان صاحب! میں نے ولایت آج آپ کے گھر میں داخل کر دی ہے۔ یہ بچہ میری دعا سے پیدا ہوا ہے اور میں نے اللہ کریم سے پیدائشی ولی مانگ کر آپ کو دیا ہے۔ اس لیے اس کا نام میرے نام پر رکھ دیں (یعنی محمد سلیمان)۔ یہ نام میں نے تجویز کیا ہے ۔اس کا یہی نام ہوگا۔''

میں بھاگا بھاگا منیر احمد کو بلا لایا اور یہ سب واقعہ اسے بتایا۔ پھر بچے کا یہی نام رکھ دیا گیا۔

الحمد للہ اس عاجز پر اتنی بڑی مہربانی فرمائی اور بعدِ وفات روحانی حیات او رروحانی تصرف ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو کیسی طاقت اور خاص اجازت عطا فرماتا ہے۔

برہان ۱۱.....روحانی تصرف بعد از وفات

ایک دن میرے بھتیجے مقصود احمد نے خواب میں دیکھا کہ بابا صاحب بعد وفات ہمارے گھر تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سب بچوں کو بلاؤ میں دعا کرنے آیا ہوں ۔وہ سب بچوں اور خواتین کو بلا کر جمع کرتا ہے۔ اور پھر عرض کرتا ہے کہ حضور! ہمارے گھر کے سب افراد جمع ہو گئے ہیں۔ آپ ایک نظر جائزہ لیتے ہیں اور فرماتے ہیں محمد احسن نہیں ہے اسے بھی بلاؤ۔ پھر وہ اس کو بھی بلا لاتا ہے تو آپ دعا فرماتے ہیں۔ واضح رہے کہ محمد احسن پریس پر ہمارا ملازم تھا جسے آپ نے بچوں میں شامل کیا۔

اس سے بعد وفات روحانی تصرف ثابت ہوتا ہے۔ دیگر یہ کہ آپ وفات کے بعد بھی اپنے غلاموں کو یاد رکھتے ہیں۔ تیسرا یہ سبق بھی ہے کہ اپنے ملازم کو بھی اپنی اولاد کی طرح سمجھا کرو۔

Marfat.com

برہان ۱۲.....مکاشفہ قبل ازِ وفات

ایک دن مجھے فرمایا کہ:

''خان صاحب آپ اکثر دور دراز کے سفر پر جایا کرتے ہیں لیکن اِن دنوں آپ دو تین ماہ کے لیے کسی بڑے سفر پر نہ جانا۔''

میں نے عرض کیا: ''سرکار! کیا کوئی خطرے والی بات ہے؟''

فرمایا: ''نہیں یار! بات یہ ہے کہ اب ہماری برزخ کی طرف تیاری ہے۔ وقت آنے والا ہے۔ آپ ہی مجھے غسل دیں گے اور آپ ہی میری نمازِ جنازہ پڑھائیں گے اور پھر آپ ہی مجھے لحد میں اتاریں گے۔ یہ میری آپ کو وصیت ہے۔ لہذا احتیاط کرنا۔ وقت بہت قریب ہے۔''

اس لیے اُن دنوں میں لمبے سفر سے گریز کرتا تھا۔ الحمد للہ یہ سعادت حسبِ وصیت مجھے نصیب ہوئی۔ میں سمجھتا ہوں اس سے بڑھ کر میرے لیے کونسی سعادت ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ولی مجھے یہ شرف بخش رہا ہے اور اس نے یہ شرف مجھے بخشا بھی۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء اللہ کو ان کی وفات کی اطلاع پیشگی بخش دیتا ہے۔

برہان ۱۳..... بوقتِ وفات

ایک دن صبح کی نماز کے فوراً بعد مجھ پر نیند نے غلبہ کر لیا اور میں سو گیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ بابا صاحب تشریف لائے ہیں اور جیپ پر سوار ہیں۔ وہ جیپ کو آہستہ آہستہ چلا رہے ہیں اور میں پیدل ساتھ ساتھ چل رہا ہوں۔ لیکن میری عمر دس بارہ سال لگ رہی ہے۔ اچانک میں رونے لگ جاتا ہوں۔ آپ مجھے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر جیپ میں بٹھا لیتے ہیں اور فرماتے ہیں: مرد بنو، مرد رویا نہیں کرتے۔ اور بھی بہت سی باتیں ہوئیں جواب مجھے یاد نہیں۔ اسی اثناء میں اہلِ خانہ مجھے جگاتے ہیں کہ باہر بہاولپور سے کوئی

آدمی آیا ہے۔ میں باہر گیا تو وہ شخص کہنے لگا کہ بابا صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔ آپ کو بلانے آیا ہوں کہ آپ ہی نمازِ جنازہ پڑھائیں گے۔

اس سے چند باتیں واضح ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ جب وفات کی اطلاع ملے تو رونا نہیں ۔ دوسرے یہ کہ اسی رات وفات ہوئی لیکن صبح صبح مجھے ملاقات کا شرف بخشا گیا۔ تیسرے یہ کہ شاید گھر والوں کو بھی وصیت فرمائی ہوگی کہ جنازہ امان اللہ پڑھائے گا۔ اور میرے لیے یہ خاص شرف ہے۔

یہ خواب میں نے دھریجہ نگر علاقہ خان پور میں ۱۹۸۹ء میں دیکھا تھا۔

برہان ۱۴..... کشفِ قلب

میرے ایک دوست تھے جنھیں کیمیا گری کا جنون کی حد تک شوق تھا اور ہر وقت سونا بنانے کی دھن اُن پر سوار رہتی تھی۔ مجھے کہتے یار بابا صاحب کے پاس چلیں۔ ان سے دعا کرائیں کہ ہمارا یہ شوق پورا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ مجھے کامیابی دے۔ میں کہتا یار مجھے تو شرم آتی ہے۔ میں تو یہ عرض نہیں کروں گا۔ آپ عرض کر سکیں تو کریں۔

جب ہم بابا صاحب کے پاس پہنچے تو وہ بھی شرم یا رعب کی وجہ سے کچھ عرض نہ کر سکا۔ لیکن بابا صاحب نے فرمایا:

"خان صاحب بعض لوگوں کو کیمیا گری یعنی سونا بنانے کا شوق رہتا ہے۔ یار ہم نے تو کبھی نہیں دیکھا کہ ایسا ہوا ہو۔ واللہ اعلم۔ لوگوں کو اس کا بڑا شوق ہے۔

یعنی آپ نے میرے دوست کے دل کا حال بیان کر دیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ سونا بنانا اہم بات نہیں بلکہ اللہ کی معرفت حاصل کرنا اہم ہے۔

برہان ۱۵.....قبولیتِ دعا

میرے ایک دوست کے جو ایک ریٹائرڈ ملازم تھے معاشی حالات بہت کمزور ہو گئے تھے۔ وہ ایک روز میرے ہمراہ بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کے لیے

Marfat.com

استدعا کی۔ آپ کی عادت مبارک یہ تھی کہ ساتھ بیٹھے ہوئے آدمی کو کہہ دیتے کہ یار اس کے لیے دعا کر دینا کہ اس کا مسئلہ حل ہو جائے۔ حسبِ معمول مجھے کہہ دیا کہ خان صاحب آپ ان کے لیے دعا کر دینا۔ اور ساتھ ہی دس روپے اپنی جیب سے نکال کر اس کو دے دیے۔ یہ ایک نشانی تھی کہ آپ کو روزی مل جائے گی۔ آپ اس وقت تو یہ کہہ دیا کرتے تھے کہ دعا کر دینا لیکن بوقتِ تہجد تمام سائلین کے لیے خود دعا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ شخص چلا گیا تو دوسرے دن کسی پرائیویٹ جگہ پر اس کو ملازمت مل گئی۔ الحمدللہ۔

برہان ۱۶..... لطائفِ روحانی

میرا بھتیجا محمد شاہد دس بارہ سال کی عمر میں تھا۔ وہ بہاولپور میں میرے ساتھ رہتا تھا۔ اور بابا صاحب کی خدمت میں کبھی میرے ساتھ اور کبھی اکیلے حاضری دیتا رہتا تھا۔ آپ نے اُس کو ذکرِ شریف بھی بتا رکھا تھا اور وہ بچہ اس پر عمل بھی کرتا تھا۔

ایک دفعہ اس میں اتنا غصہ بھر گیا کہ بات بات پر مجھ سے الجھنے لگا۔ میں حیران تھا کہ اسے کیا ہو گیا ہے۔ ایک روز وہ میرے ساتھ بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کی:

''حضور اسے سمجھائیں اب یہ مجھ پر بھی غصہ کرنے لگ گیا ہے۔''

آپ نے فرمایا: ''آپ کو صبر کرنا ہوگا کیونکہ اس کی حالت ایسی ہی ہے۔ میں نے اس پر حجاب ڈال دیا ہے اور باطنی طور پر اس کے لطائفِ روحانی کو عروج دے رہا ہوں۔ حجاب اپنے وقت پر ہٹے گا اور اس کی سیر لطیفہ خفی میں ہے اور صفاتِ سلبیہ ہیں اور وہ جلالی ہیں۔ جیسے قہار، جبار، متکبر۔ ایسے میں ان کا اثر اس کے لطائف و روح پر پڑ رہا ہے۔ اس لیے غصہ ور ہو گیا ہے۔ اس کے بعد جب صفاتِ جمالیہ کا دور آئے گا تو یہ غصہ ختم ہو جائے گا۔ اس پر اب جو حجاب ڈالا ہوا ہے وقت آنے پر ہٹا لیا جائے گا۔ لہٰذا آپ درگزر کر لیا کریں۔ الحمدعلیٰ ذالک۔

Marfat.com

برہان ۱۷..... زندگی میں مشکل کشائی

یہ ۱۹۸۷ء کا واقعہ ہے کہ مجھے آسٹریلیا سے ایک شخص لینے آ گیا۔ میرا جانے کا از خود ارادہ نہ تھا کیونکہ وہ ملک انگریزوں کا ہے۔ مجھے اس سے کیا فائدہ۔ وہ آدمی ایک پاکستانی کا بھیجا ہوا تھا جو ٹکٹ وغیرہ ساتھ لایا تھا۔ اب میں نے سوچا کہ انھوں نے اتنی کوشش کی ہے مجھے ضرور جانا چاہیے۔ لیکن اس ارادے کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ وہاں کچھ خطرہ بھی ہے۔ جب ہم بابا صاحب کے پاس بہاولپور حاضر ہوئے تو آپ نے حکم دے دیا کہ خان صاحب آسٹریلیا ضرور جانا ہے۔ حالانکہ وہ خطرات آپ کے مدنظر بھی تھے۔ لیکن حکم ہو گیا

۔

اب ہم لاہور پہنچے۔ پھر وہاں سے اسلام آباد پہنچ کر ویزا لگوایا۔ پھر کراچی سے ہوائی جہاز کے ذریعہ ہم آسٹریلیا کے شہر سڈنی میں داخل ہو گئے۔ چند روز بعد وہ خطرات محسوس ہونے لگے۔ وہاں پر کراماتی طور پر آپ کے روحانی اثرات سے میں مستفید ہوتا رہا۔ جب واپس آئے تو فرمایا کچھ روحانی لوگ آپ سے گڑبڑ کر رہے تھے۔ ہم نے سوچا یہ بھی زور آزمائی کر کے دیکھ لیں۔ دیکھیں کون غالب آتا ہے۔ لہذا سب نے آزما کر دیکھ لیا۔

برہان ۱۸..... بعد از وفات مشکل کشائی

دوسری دفعہ ۱۹۹۶ء میں مجھے آسٹریلیا کے لیے بلاوا آیا۔ اس وقت حضرت کا وصال ہو چکا تھا۔ گو کہ میرا جانے کا ارادہ نہ تھا لیکن حالات ایسے تھے کہ جانا پڑ گیا۔ سوچا کہ پہلی بار تو آپ زندہ تھے اور تشریف فرما تھے، فرمان جاری کر دیتے تھے۔ اب آپ کے مزار شریف پر حاضری دی جائے۔ شاید کچھ اشارہ مل جائے۔ حاضری دی تو خاموشی محسوس ہوئی۔ چند دن بعد دوبارہ حاضری دی تو پھر بھی خاموشی رہی۔ چند روز بعد پھر حاضری دی تو فرمایا میں آپ کی مرضی پر چھوڑتا ہوں۔

Marfat.com

چنانچہ ہم آسٹریلیا پہنچے۔ وہاں ایک دفعہ غیر متوقع طور پر ایک روحانی مسئلہ درپیش ہوا ۔آپ صبح آٹھ بجے میرے پاس پہنچے اور رات دس بجے تک موجود رہے۔ پھر فرمایا تیسری مرتبہ جب مزار پر آپ آئے تو میں آپ کو منع کرنے والا تھا کہ مت جاؤ لیکن ایک بات تھی جس کی وجہ سے میں نے آپ کو اختیار دے دیا تا کہ چلتے چلتے یہ بات بھی واضح ہو جائے کہ میں سنبھال لوں گا۔ اب وہ بھی حل ہو گئی۔ چلو کوئی بات نہیں۔ آپ اب خیریت سے پہنچیں گے۔ چنانچہ پونے تین ماہ کے دورے کے بعد میں واپس وطن آ گیا۔

واضح رہے کہ میں وہ باتیں صاف بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ ان کا تعلق صرف اور صرف روحانیت سے ہے۔ ان کا تحریر میں لانا ناممکن ہے۔ اور پڑھنے والوں کے لیے سمجھنا تو درکنار الٹا الجھن میں ڈالنے کے مترادف ہوگا۔ اس لیے میں اشارے کنائے میں بات کر رہا ہوں۔ صرف یہ سمجھنا چاہیے کہ صاحبِ مزار کا اتنا تصرف ہے کہ وہ مزار سے بھی کرم فرما سکتے ہیں۔

برہان ۱۹..... تصرفِ باطنی

میرے ایک دوست تھے مولوی عبدالحکیم صاحب۔ وہ بھی بچپن ہی سے علمِ سلوک و تصوف کے طالب علم تھے۔ وہ ایک نقشبندی سلسلے کے بزرگ کے مرید ہو گئے تھے۔ چونکہ میں علم کے حصول کے لیے سفر پر چلا گیا تھا اس لیے کافی عرصہ تک ہماری ملاقات نہ ہو سکی۔ کئی سال بعد ملاقات ہوئی تو میں نے اُن سے پوچھا:

''سنائیں مولوی صاحب علمِ سلوک میں کس حد تک رسائی حاصل کی؟''

کہنے لگے: ''مرشد نے مجھے فرمایا ہے کہ میں آپ کو خلافت نامہ دینا چاہتا ہوں۔ اب آپ تمام منازل طے کر چکے ہیں۔'' لیکن میں نے عرض کی کہ: ''حضرت میں ایک نالائق آدمی ہوں یہ بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔''

اس پر مرشد خاموش ہو گئے۔

Marfat.com

میں نے کہا: ''فلاں لطیفہ کا رنگ کیسا ہے؟''

کہنے لگے: ''لطیفہ؟ کونسا لطیفہ؟''

میں نے کہا: ''بھائی جب آپ نے تمام لطائف طے کر لیے ہیں تو آپ کو ان کے مقام، ان کے نور کا رنگ تو معلوم ہوگا؟''

جواب دیا: ''یار یہ تو مجھے کچھ خبر نہیں۔''

میں نے کہا: ''مرشد نے آپ کو پھر کون سی منزلیں طے کرائی ہیں؟''

یہ سنتے ہی وہ میرے پاؤں پڑ گئے۔ ''یار ایسی کوئی بات ہے تو آپ ہی میری رہنمائی کریں۔''

میں نے کہا: ''میں تو خود ابھی تک اس سفر کا مسافر اور اس علم کا طالب علم ہوں۔ البتہ میرے بزرگ ہیں حضرت بابا قلندر صاحب۔ میں ان کی خدمت میں عرض کروں گا۔ جو حکم ہوگا اسی طرح کریں گے۔''

پھر میں بہاولپور گیا۔ آپ کی خدمت میں عرض کی اور سفارش کی کہ:

''میرا دوست ہے۔ کافی سالوں سے منزل سے دور سلوک کے سفر میں ہے۔ آپ فرمائیں تو اس کو لے آؤں۔''

آپ نے پوچھا'' اس کی عمر کیا ہے؟''

میں نے کہا: ''ستر سال ہوگی۔''

فرمایا: ''موسم کیا ہے؟''

میں نے کہا: ''جی، موسم سردی کا ہے۔''

فرمایا: ''کرایہ کتنا پڑتا ہے؟''

میں نے کرایہ بتایا۔

فرمایا: ''یہ کیا بات ہوئی۔ پہلے تو وہ ضعیف شخص سردی کے موسم میں اتنا خرچ کر کے

Marfat.com

مجھے ملنے آئے اور پھر اللہ کریم کا ذکر سیکھے!''

میں خاموش ہو گیا۔

فرمایا: ''خان صاحب! جیسے میں نے آپ کو ذکرِ الٰہی تلقین کیا ہے اسے بتا دیں کہ اسی طرح کرے۔ ان شاء اللہ اس کا کام بن جائے گا۔ کوئی کچھ نہ دے تو ۴۵ سال گزر جاتے ہیں اور اگر کوئی دینے پہ آئے تو بہاولپور سے خانپور دور نہیں۔ جاؤ انھیں ذکر شریف بتا دیں۔''

پھر اگلے ماہ جب میں گھر واپس آیا تو وہ میرا منتظر تھا۔ واضح رہے کہ میں ملازمت کے سلسلے میں بہاولپور رہتا تھا اور ہر ماہ گھر آیا کرتا تھا۔ اس لیے میں ایک ماہ بعد گھر آیا اور اسے سب بات بتا دی۔ اور کہا ایسے ایسے کرنا ہوگا۔ ایک کاپی بنا لیں۔ ہر رات جو کچھ مشاہدہ ہوا کرے وہ لکھتے رہنا۔

چنانچہ اس نے کام شروع کر دیا تو پہلی رات ہی سے اسے مشاہدات شروع ہو گئے۔ میں جب دوسرے مہینے گھر آیا تو اس نے تحریر شدہ کاپی مجھے دکھائی اور کہا کہ پہلی رات سے ہی مشاہدات شروع ہو گئے تھے۔ میں بہت حیران ہوا کہ اس شخص پر کتنا کرم ہو گیا ہے۔ پھر وہ بضد ہوا کہ یار مجھے حضرت کی زیارت تو ضرور کراؤ۔ میں نے کہا بھائی مجھے اجازت لینا ہوگی۔ پھر میں آپ کو لے جاؤں گا۔ چنانچہ اجازت ملنے پر اس کو بہاولپور لے گیا۔ حاضری دی تو وہ بہت خوش ہوا۔ آپ نے اسے بہت بہت دعائیں دیں

برہان ۲۰..... مشاہدہ

ان دنوں میں بہاولپور میں تھا اور میرے بھتیجے محمد شاہد پر بابا صاحب کی خصوصی توجہ تھی اور غائبانہ طور پر اس کا کام بھی بن رہا تھا لیکن اس کے حجابات آپ نہیں ہٹا رہے تھے کیونکہ ابھی وہ بچہ تھا۔ اس کے باوجود اس کی شدید خواہش تھی کہ ابھی سے اسے کچھ حاصل

Marfat.com

ہو جانا چاہیے۔

اسی شہر میں ایک مولوی صاحب تھے۔ انھیں دعویٰ تھا کہ وہ سلوک کی منزلیں طے کرا سکتے ہیں۔ شاہد نے ان سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ مولانا صاحب نے فرمایا:

''یہ بھی کوئی بات ہے۔ لیکن تمھیں تین سو روپیہ نذرانہ دینا ہوگا۔ پھر ساری منزلیں طے ہو جائیں گی۔''

یہ واقعہ مسجدِ خضریٰ ماڈل ٹی بہاولپور کا ہے۔ شاہد نے تین سو روپے نکال کر دے دیے۔ اب دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ توجہ کا کام شروع ہونے والا تھا کہ بابا صاحب اچانک اپنے معمول کے خلاف دن کے بارہ بجے سخت گرمی میں تشریف لے آئے۔ فرمایا:

''یہ کیا ہو رہا ہے؟ شاہد! کیا تمھیں میری بات پر یقین نہیں۔ کیا پیسے خرچ کر کے فقر خریدا جا سکتا ہے؟ میں جانتا ہوں کہ تمھیں گمراہ کیا جا رہا ہے اس لیے سخت گرمی میں مجھے آنا پڑا۔''

دونوں بہت شرمندہ ہوئے۔ مولوی تو بھاگ گیا اور شاہد کو آپ نے سمجھایا کہ ایسے گمراہ اور چالاک لوگوں کے بھرے میں نہ آیا کرو۔''

برہان ۲۱.....پیش گوئی

۱۹۸۳ء کی بات ہے کہ حضرت بابا شاہ محمد سلیمان شاہؒ مسجد خضریٰ ماڈل ٹاؤن بی بہاولپور میں تشریف فرما تھے۔ عقیدت مند حصول برکت و دعا کے لیے حاضرِ خدمت تھے۔ ۱۹۸۳ء میں پاکستان پر ہندوستان کے حملے کا شدید خطرہ تھا۔ حاضرین مجلس نے اس خطرے کے پیش نظر بابا صاحبؒ سے دعا کی درخواست کی کہ یہ خطرہ ٹل جائے۔ واضح ہو کہ اس وقت ہندوستان کی وزیر اعظم اندرا گاندھی تھی اور وہ ہر صورت میں پاکستان پر جنگ مسلط کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ بابا صاحب نے عرض گزار کو جواب دیا:

Marfat.com

''اگر قضا و قدر میں یہی لکھا ہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔''

جواباً عرض کیا گیا: ''دعا تو کر سکتے ہیں کہ اس فتنہ پرور عورت سے اللہ نجات دے جو جنگ کی اصل محرک ہے۔''

اس بات پر آپ خاموش ہو کر مراقبے میں چلے گئے۔ تقریباً بیس منٹ کے بعد آنکھیں کھولیں۔ آنکھیں سرخ تھیں اور ان سے جلال نمایاں تھا۔ آپ نے عالمِ جلال میں ہاتھ کے اشارے سے فرمایا:

''مر جائے گی وہ۔''

اس واقعہ کے صرف چند دن کے بعد اندرا گاندھی اپنے ہی محافظوں کے ہاتھوں قتل ہو گئی۔ اور بابا صاحب نے جو فرمایا تھا وہ پورا ہو گیا۔ اللہ اللہ!

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقومِ عبداللہ بود

شجرہ نسب

حضرت باباشاہ محمد سلیمان شاہ چشتی صابری رحمتہ اللہ علیہ

محمد اسماعیل عرف مہمد

وارث — عارف — غوث — صفدر عرف صیفل

میاں نتھے شاہ — سائیں میاں پیرے شاہ — محمد حیات — باقر علی عرف کوڈا — باغ علی عرف باگھا

سائیں میاں سوندھے شاہ
مدفون نظام پور (ولی اللہ)

میاں غلام محمد

حافظ محمد عبداللہ متبنیٰ مدفون دھاندرہ — حافظ محمد عبداللہ مدفون دھاندرہ — صوبیدار رحمت اللہ مدفون دھاندرہ — میاں محمد اسماعیل مدفون نظام پور کپورتھلہ بھارت

میاں ظہور احمد مدفون لاہور — میاں لطیف احمد — میاں محمد اسلم — میاں الطاف حسین

حضرت باباشاہ محمد سلیمان چشتی صابریؒ — میاں شکور احمد — میاں مقبول احمد

میاں مشتاق احمد مدفون دھاندرہ — میاں اسد علی احمد — میاں طارق علی احمد — میاں منظور احمد — میاں عبدالمجید

عاصم علی احمد — ڈاکٹر ناظم علی احمد — قاسم علی احمد — کاظم علی احمد — میاں جاوید اقبال

عمار علی احمد — اسعد علی احمد — محمد عرفان الحق — محمد عثمان

میاں نذر احمد — میاں ظفر احمد — میاں خالد احمد — میاں عابد علی

Marfat.com

قطعہء تاریخ وفات

حضرت حافظ محمد عبداللہ قادری مدفون فیصل آباد

ابن حضرت غلام محمد و متبنّٰی سائیں سوندھے شاہ

والد گرامی حضرت باباشاہ محمد سلیمانؒ چشتی صابری، قادری

"آہ! وَلیٔ حق حافظ محمد عبداللہ"

۱۳۸۳ھ

"حافظ سائیں محمد عبداللہ قادری مرحوم"

۱۹۶۳ء

حضرت عبداللہ صوفی مرد حق
چل دیئے ہیں جانب دارالسلام
آہ بھر کر میں نے سوچا سال وصل
بولا ہاتف :- زاہد ذی احترام

۱۳۸۳ھ

از نتیجہ فکر

محمد حسن خان میرانی نوشاہی

بہاولپور

Marfat.com

قطعہ تاریخ وفات

حضرت پیر محمد حسین شاہ فرد عالمؒ چشتی صابری قادری مدفون لاہور

مرشد گرامی

" حضرت بابا شاہ محمد سلیمانؒ چشتی صابری قادری "

" فردِ عالم قطب زمان پیر محمد حسین شاہ "

۱۳۷۲ھ

حکم خدا سے ہوئے آج راہی

جنت کو شاداں محمد حسین

کہا مجھ کو ہاتف نے سالِ وصال

کہ فیاضِ دوراں محمد حسین

۱۳۷۲ھ

از نتیجہ فکر

محمد حسن خان میرانی نوشاہی

بہاولپور

Marfat.com

قطعہء تاریخ وفات

حضرت شاہ محمد پیر بخاری قدس سرہٗ مدفون لاہور

دادا مرشد حضرت باباشاہ محمد سلیمانؒ چشتی صابری، قادری

"مردِ عارف شاہِ ولائت"

۱۳۴۸ھ

"قبلہ شاہ محمد بخاری"

۱۳۴۸ھ

شہ محمد قادری و صابری
بے گماں ہیں رب کی رحمت میں کہو
سال رحلت پر ندا ہاتف نے دی
"صابری بیٹھے ہیں جنت میں" کہو

از نتیجہ فکر
محمد حسن خان میرانی نوشاہی
بہاولپور

Marfat.com

ادیبِ شہیر حضرت محمد حسن خان میرانی

قادری نوشاہی مدظلہٗ بہاولپور

Marfat.com

حضرت بابا

شاہ محمد سلیمان چشتی صابریؒ

کے اجداد و اخلاف

*

۱۹۹۹ء میں لاہور سے شمیمِ جالندھر المعروف بہ تذکرہ اولیائے جالندھر شائع ہوئی۔ اس میں ۳۰۰ مشائخِ جالندھر کا تذکرہ ہے۔ یہ کتاب دینی و روحانی حلقوں میں بڑی مقبول ہوئی اور اس کا کوئی نسخہ نہیں بچا۔ مصنف حضرت پیرِ طریقت رہبرِ شریعت حضرت مولانا ابو مظہر چشتی صابری سراجی مدظلہ کوچہ سدھو مصر شاہ عالمی لاہور نے اس کتاب میں تخصیص کے ساتھ بابا صاحب کے دادا بزرگوار حضرت سائیں سوندھے شاہؒ، والدِ بزرگوار حضرت حافظ محمد عبداللہؒ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت بابا صاحب پر کتاب کی مناسبت سے خاصا تفصیل سے لکھا ہے۔ مولانا نے شمیمِ جالندھر میں بابا صاحبؒ کے امجاد و اولاد پر جو

کچھ لکھا اسے ہم شکریے کے ساتھ شاملِ کتاب کر رہے ہیں ۔ اللہ کریم سے دعا ہے کہ حضرت مولانا کا تبلیغی مشن جاری و ساری رہے اور حضرت کا سایہ ہم سب پر قائم و دائم رہے ۔ حضرت مولانا نے کتاب کا ایک نسخہ اپنے دستخط کے ساتھ فقیر کو بھجوایا تھا جس کے لیے فقیر سراپا سپاس ہے ۔

طارق علی احمد

مؤلف

Marfat.com

حضرت بابا سائیں سوندھے شاہ نظام پوری

❁

''حضرت سائیں سوندھے شاہ، بابا سائیں پیرے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند تھے۔ ان کے ایک اور بھائی تھے، جن کا نام میاں غلام محمد تھا۔ سائیں سوندھے شاہ اپنے خاندان میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ ان کا خاندان نظام پور (ریاست کپورتھلہ) میں آباد تھا۔ یہ گاؤں کپورتھلہ سے پانچ چھ میل شمال کی جانب الراعین کے معروف گاؤں بوٹ (بوٹاں) سے چار میل مغرب کی جانب تھا۔ پاکستان بننے کے بعد آپ کا خاندان ضلع لائل پور (فیصل آباد) کے مشہور گاؤں چک نمبر ۶۶ ج ب دھاندرہ میں مکمل طور پر آباد ہو گیا۔

حضرت سائیں سوندھے شاہ ایک پاکیزہ گوہرِ تابدار تھے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی خدا کی یاد اور عشقِ رسولِ مقبول ﷺ میں بسر کر دی۔ لذاتِ دنیوی اور علائق دنیوی سے کوئی سروکار نہ تھا۔ آپ نے ساری عمر لباسِ فاخرہ زیبِ تن نہ کیا بلکہ جبہِ درویشی ہی زیبِ تن رکھا۔ فقیرانہ زندگی سے آپ کو محبت تھی۔ حضرت سائیں سوندھے شاہ اپنے دور کے فقیرِ کامل، ریاضت و عبادت کے پیکر، عابدِ شب زندہ دار اور سیف زباں تھے۔

Marfat.com

آپ کے ہاں اولادِ نرینہ نہ تھی ۔ آپ نے اپنے برادرِ عزیز میاں غلام محمد کے فرزند میاں حافظ محمد عبداللہ کو اپنا متبنیٰ بنایا تھا ۔ ایک اور روایت ہے کہ حافظ عبداللہ کسی کام کی غرض سے سلطان پور لودھی گئے ۔ وہاں اُن کی ملاقات ایک مجذوب سے ہوئی ۔ اس مجذوب درویش نے کہا ''دیکھو حافظ صاحب سائیں سوندھے شاہ کی خدمت کیا کرو ۔'' حافظ صاحب نے عرض کیا ''کیا آپ سائیں سوندھے شاہ سے واقف ہیں ۔'' مجذوب نے جواب دیا ''اُنھیں ظاہری آنکھوں سے تو نہیں دیکھا البتہ شہنشاہِ بغداد حضور غوث پاک کی باطنی مجالس میں اُن سے کئی بار ملاقات ہوئی ہے ۔''

آپ نے اسّی سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور اپنے آبائی گاؤں موضع نظام پور (ریاست کپورتھلہ) میں آسودہِ خاک ہوئے ۔

(بحوالہ تاریخِ سلیمیہ از ابوالاحسان)

*

میاں حافظ محمد عبداللہ نظام پوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ میاں غلام محمد ابنِ سائیں پیرے شاہ نظام پوری کے بیٹے اور سائیں سوندھے شاہ نظام پوری کے بھتیجے اور متبنیٰ تھے۔ آپ کی تربیت سائیں سوندھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں ہوئی۔ آپ نظام پور ریاست کپورتھلہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا مزاج بھی درویشانہ تھا۔ آپ قادریہ سلسلے کے ایک بزرگ مالیر کوٹلہ والوں کے مرید تھے۔ آپ حافظِ قرآن، عالمِ باعمل اور علماء وصوفیاء کے دل سے قدردان تھے۔ قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت فرماتے تھے۔ دورانِ تلاوتِ قرآن مجید آپ کی آنکھوں سے اشک رواں ہوتے تھے۔ تقسیمِ ملک کے بعد ضلع لائل پور (فیصل آباد) کے گاؤں چک نمبر ۶۶ ج ب دھاندرہ میں آ کر آباد ہوئے۔ دین کی تبلیغ جاری رکھی۔ آخر ۱۹۶۳ء میں اسی گاؤں میں انتقال فرمایا اور یہیں آسودۂ خاک ہوئے۔ حافظ عبداللہ صاحب کے تین فرزند ہوئے:

۱۔ حضرت میاں محمد سلیمان قلندر چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ میاں عبدالمجید صاحب

۳۔ میاں منظور احمد صاحب

Marfat.com

حضرت میاں
محمد سلیمان قلندر چشتی صابری ثمّ بہاولپوری
رحمۃ اللہ علیہ

آپ میاں حافظ محمد عبداللہ قادری نظام پوری کے فرزندِ اکبر ہیں۔ آپ کی پیدائش موضع نظام پور ریاست کپورتھلہ ضلع جالندھر میں ہوئی۔ آپ کا سنِ پیدائش غالباً ۱۹۰۰ء ہے۔ آپ قوم ارائیں سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے تعلیم اپنے وطن ہی میں پائی۔ دینی اور روحانی تربیت والدِ گرامی سے پائی۔

آپ نے اپنی عملی زندگی کا آغاز ۱۹۲۲ء میں ریاست بہاولپور سے کیا اور فوج میں بھرتی ہوئے۔ لیکن یہاں دل نہ لگا اور فوج کی ملازمت ترک کر کے ریلوے میں ملازمت اختیار کی۔ ۱۹۶۶ء میں پاکستان ریلوے سے گروپ انسپکٹر کے عہدے سے ریٹائرمنٹ لی اور ۱۹۶۸ء میں اپنے فرزند میاں اسد علی احمد صاحب کے پاس بہاولپور میں رہائش اختیار کر لی۔

بیعت

آپ نے سلسلہ چشتیہ، صابریہ، بھیکیہ میں حضرت محمد حسین شاہ فردِ عالم رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور خرقہِ خلافت حاصل کیا۔ حضرت محمد حسین ۱۰ جمادی الآخر ۱۳۷۲ھ مطابق ۲۶ فروری ۱۹۵۳ء بروز جمعرات فوت ہوئے۔ مزارِ شریف آوا بدھو بالمقابل انجنیر نگ یونیورسٹی جی ٹی روڈ لاہور میں ہے۔

حضرت محمد حسین شاہ فردِ عالم مرید حضرت شاہ محمد پیر بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے متوفی ۲۱ ربیع الاول ۱۳۴۸ھ بمطابق ۲۸ اگست ۱۹۲۹ء بروز بدھ مدفن قبرستان آوا بدھو لاہور۔

یہ مرید حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے (ان کے حالات سلسلہ چشتیہ میں درج ہیں) تاریخ وفات معلوم نہ ہوسکی۔ ان کا مزار دولت آباد دھولیہ جالندھر مشرقی پنجاب بھارت میں ہے۔ یہ مرید حضرت محمد حسین چشتی صابری پاک پتنیؒ کے۔ تاریخِ وفات اور مزار معلوم نہیں۔ کہتے ہیں کہ دربھنگہ کلکتہ کے باہر مزار بنا ہوا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ یہ مرید شاہ محمد حسن رام پوری کے اور یہ مرید حضرت امیر شاہ رام پوری کے اور یہ مرید صاحبزادہ غلام شاہ ابن اخون عبدالکریم رام پوری کے اور یہ مرید و پسر حضرت اخون شاہ عبدالکریم اور یہ مرید حضرت شاہ عنایت اللہ جیو بہلول پوری کے اور یہ مرید حضرت سید محمد سعید میراں جی بھیک کے۔

حضرت شاہ محمد سلیمانؒ چشتی صابریؒ نے اپنی عمر کے آخری ۲۲ سال بہاولپور میں قیام فرمایا۔ بہاولپور میں آپ قلندر بابا کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کا یہ معمول تھا کہ نمازِ جمعہ کے بعد مسجدِ خضریٰ ماڈل ٹاؤن بی بہاولپور کے برآمدے میں بیٹھ جاتے تھے۔ آپ کے گرد عقیدتمندوں کا حلقہ بن جاتا۔ یہ حضرات اپنی اپنی تکالیف بیان فرماتے یا کوئی مسئلہ پوچھتے۔ محفل کے اختتام پر آپ دعا فرماتے۔ بابا قلندر شاعرِ مشرق کا کلام اکثر سنتے۔ بعض اوقات شعر سنتے ہی دم بخود ہو جاتے۔

تقریباً نوے سال کی عمر میں آپ چاق و چوبند نظر آتے تھے۔ مسجد سے بے حد لگاؤ تھا۔ نماز ہمیشہ مسجد میں باجماعت ادا کرتے تھے۔ کمزور و نحیف ہونے کے باوجود مسجد میں

Marfat.com

اس چستی کے ساتھ آتے کہ لوگ دنگ رہ جاتے ۔ گفتگو میں بڑی نرمی تھی ۔ مگر حق بات پر پوری طرح ڈٹ جاتے ۔ دل میں کوئی کدورت نہ رکھتے تھے ۔ قلندر بابا نے اپنی درویشی کو ہمیشہ مخفی رکھا ۔ مسجد میں بھی علیحدہ خاموش بیٹھے رہتے تھے ۔ عموماً لوگ ڈاکٹروں اور حکیموں سے مایوس ہو کر آتے اور بابا جی سے دعا کے لیے عرض کرتے ۔ آپ اُن کے لیے دعا فرماتے ۔ ایک مریضہ سے ڈاکٹر نے کہا کہ اس کے گردوں نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے ۔ لیکن بابا صاحب کی دعا سے وہ بفضلہٖ تعالیٰ بقید حیات ہے (۱۹۹۳ء) ۔ ایک مریضہ کو سانپ نے ڈس لیا ۔ وہ بھی تندرست ہو گئی اور زندہ ہے ۔

نصائح

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہمیشہ رزقِ حلال اور پاک روزی تلاش کرو اور کھاؤ مگر کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلاؤ ۔ ہاتھ صرف رب العزت کے حضور دراز کرو ۔ نماز پنجگانہ ادا کرو ۔ خدائے قدوس اور رسول اللہ ﷺ کے احکامات کی مکمل پیروی کرو ۔ کسی کو اپنے قول و فعل سے نقصان نہ پہنچاؤ ۔ آپ ''اول خویش بعدہٗ درویش'' کے قائل تھے ۔ فرمایا کرتے ، اپنے بچوں کی بہترین تربیت کرو ۔ اور بعد میں دوسروں کی اولاد کو نیک راستہ دکھاؤ ۔

آپ نے ساری زندگی سنت کے مطابق گزاری اور اسی راہ میں ۳۰ شوال المکرّم ۱۴۰۹ھ بمطابق ۵ جون ۱۹۸۹ء شبِ دوشنبہ ڈیڑھ بجے بعد از نصف اللیل ۸۹ سال کی عمر میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے ۔

جامع مسجد فاروق ماڈل ٹاؤن بی بہاولپور کے قبرستان میں مسجد کی دیوار کے ساتھ آپ کو دفن کیا گیا ۔ اور آپ کے فرزندوں کی مساعی سے مزار شریف کی خوبصورت عمارت تعمیر ہوئی ۔

بابا جی کے پانچ لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں :

۱۔ مشتاق احمد مرحوم ..... ۳۷ سال کی عمر میں چک نمبر ۶۶ ج ب دھاندرہ فیصل آباد سال ۱۹۷۱ء میں انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے۔

۲۔ حیدر علی احمد ..... پاکستان بننے سے قبل بھاگل پور (صوبہ بہار انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ اُن دنوں حضرت شاہ سلیمانؒ بھاگل پور میں ریلوے میں ملازم تھے۔ حیدر علی احمد قیام پاکستان سے قبل بھاگل پور میں فوت ہو گئے۔

۳۔ طاہر علی احمد ..... بھاگل پور میں پیدا ہوئے اور قیامِ پاکستان سے قبل یہیں انتقال فرمایا۔ آپ طارق علی احمد صاحب سے چھوٹے تھے۔

*

Marfat.com

۴۔ اسد علی احمد صاحب

*

''آپ جناب طارق علی احمد کے برادرِ اکبر ہیں ۔ ۱۷ جون ۱۹۴۰ء میں بھاگل پور میں پیدا ہوئے ۔ تقسیمِ ملک کے بعد والد صاحب کے ہمراہ پاکستان آ گئے ۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے بی ایس سی ، ایم اے اور بی ایڈ کے امتحانات پاس کیے ۔ دورانِ ملازمت اعلیٰ تعلیم کے لیے حکومت کے خرچ پر امریکن یونیورسٹی آف بیروت گئے اور وہاں سے ایجوکیشن میں چار سالہ ماسٹرز ڈگری حاصل کی ۔ آج کل (۱۹۹۶ء) بہاولپور کے مشہور تعلیمی ادارے گورنمنٹ کینٹ ہائی اسکول کے سربراہ ہیں ۔ بہاولپور کے تعلیمی حلقوں میں اُن کا نام جانا پہچانا ہے ۔ جناب اسد علی احمد نے عمرے کی سعادت بھی حاصل کی ہے ۔ جناب طارق علی احمد ان کا بمنزلہ باپ کے احترام کرتے ہیں ۔ حضرت قلندر سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کا سالانہ عرسِ پاک جناب اسد علی احمد کی زیرِ سرپرستی ہوتا ہے ۔

*

۵۔ طارق علی احمد صاحب

''۶ فروری ۱۹۴۴ء کو بھاگل پور شہر (صوبہ بہار۔ بھارت) میں پیدا ہوئے ۔ تقسیمِ ملک کے وقت والدین کے ہمراہ پاکستان آ گئے ۔ ابتدائی تعلیم ساہیوال اور شورکوٹ میں حاصل کی ۔ والدِ محترم کی صحبت میں دینی ذوق وشوق حاصل کیا ۔ ۱۹۶۵ء میں ایم اے اور ۱۹۶۶ء میں بی ایڈ کی ڈگری پنجاب یونیورسٹی لاہور سے حاصل کی ۔ مندرجہ ذیل علماء و مشائخ کی زیارت کی اور مواعظ سے فیضان حاصل کیا:

۱۔ حضرت علامہ سید محمد احمدؒ محدث کچھوچھویؒ

۲۔ حضرت علامہ ابوالحسنات قادریؒ خطیب جامع مسجد وزیر خان لاہور

۳۔ حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادریؒ حزب الاحناف لاہور

۴۔ خطیبِ پاکستان مولانا غلام دینؒ انجن شیڈ لاہور

۵۔ مبلغِ اسلام مولانا محمد بخش مسلمؒ بی اے لوہاری گیٹ لاہور

۶۔ شیخ القرآن مولانا عبدالغفور ہزارویؒ وزیر آباد

۷۔ مولانا مفتی احمد یار خان صاحب گجرات

۸۔ حضرت صاحبزادہ پیر فیض الحسن آلومہار شریف

Marfat.com

۹۔ مجاہدِ ملّت مولانا عبدالحامد بدایونی

۱۰۔ حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ ملتان :

جناب طارق علی احمد کی تقریر و تحریر دلچسپ ہوتی ہے۔ ان سے ہم کلام ہونے والے میں اکتاہٹ پیدا نہیں ہوتی۔ دل چاہتا ہے کہ ان کے پاس بیٹھے رہیں اور گفتگو سنتے رہیں۔ فقیر (مؤلف) سے بہت محبت فرماتے ہیں۔ اکثر خط کتابت رہی ہے۔ ان میں کسرِ نفسی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ حالیہ خط میں لکھتے ہیں:

''حضرت کا گرامی نامہ ملا۔ حضور نے جن القابات سے فقیر کو یاد فرمایا ہے ان کا میں قطعی طور پر مستحق نہیں ہوں۔ یہ آپ کی شفقت، عنایت اور محبت ہے۔ حضرت مرشد گرامی پروفیسر افتخار احمد چشتی مدظلہ العالی اور آپ کے سامنے میری حیثیت طفلِ مکتب سے زیادہ نہیں۔ ویسے یہ میری خوش بختی ہے کہ آپ جیسے عالی مرتبت بزرگ مجھ پر اتنا کرم فرماتے ہیں۔ عریضہ کافی عرصہ کے بعد حضور کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ اس کی وجہ کوتاہی، غلطی اور کج فہمی کے سوا کچھ نہیں۔ چھوٹے بڑوں کے سامنے سر جھکاتے ہوئے اچھے لگتے ہیں۔ مجھے اپنی کوتاہی اور غلطی کا برملا اعتراف ہے۔ حضرت میں کہاں کا صاحبِ نظر اور مسند نشین۔ مسند نشینی تو آپ جیسے بزرگوں کو زیب دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو بھی عزت و توقیر عطا فرمائی ہے یہ سب بزرگوں کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔ اللہ پاک آپ کا سایہ تا دیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ آمین! حضرت بہت سی نادر کتب تحریر فرما چکے ہیں۔ اللہ اللہ ایک کتاب کا شور ختم نہیں ہوتا کہ دوسری کتاب منظرِ عام پر آ جاتی ہے۔ اللہ پاک آپ کے خامہِ مبارک میں مزید روانی اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آپ کے خط کا جواب میرے لیے بمنزلہ حکم کے ہوتا ہے اور آپ کے خط کا جواب میرے لیے سعادتِ دارین کے زمرے میں آتا ہے۔ دعا فرمائیں دنیوی مصروفیات کم ہوں تا کہ آپ کی خدمت میں حاضری کا تسلسل برقرار رہے۔ جناب مفتی سہیل میرے خصوصی شکریے کے

Marfat.com

مستحق ہیں ۔ اللہ انھیں جزائے خیر دے اور خوشیاں عطا فرمائے ۔

والسلام

طارق علی احمد چشتی نظامی صابری

۲۷ اگست ۱۹۹۶ء

☆☆

خلافت

یوں تو طارق علی احمد صاحب کے والد گرامی ان پر بڑی شفقت فرماتے تھے ۔ ان کے قول کے مطابق والد صاحب کی عنایات اور شفقتیں اب بھی ان کے ساتھ ہیں ۔ بعض اوقات والد صاحب کا تصرف براہِ راست محسوس کرتے ہیں ۔ خواب میں بارہا تشریف لاتے ہیں اور شفقت فرماتے ہیں ۔ حضرت شاہ سلیمانؒ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا امان اللہ خاں دھریجہ نے طارق صاحب کو دستارِ خلافت عطا فرمائی اور اپنے دستِ مبارک سے سر پر باندھی ۔ نیز تحریری طور پر خلافت نامہ عطا فرمایا ۔ پروفیسر افتخار احمد چشتی مدظلہ العالی (فیصل آباد) نے ارشاد فرمایا: ''یہ دستار آپ کو آپ کے والد گرامی کی طرف سے سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ میں عطا کی گئی ہے ۔'' پروفیسر صاحب آپ کو ہر خط میں چشتی صابری نظامی لکھتے ہیں ۔ حضرت پروفیسر صاحب نے آپ کو نظامی سلسلے میں خلافت نامہ مرحمت فرمایا ہے ۔ اس کی نقل یوں ہے:

۷۸۶

۷۹۷

۳۱۳

خادم الفقراء حضرات خواجگان چشت کے مطابق خلیفہ طارق علی احمد صاحب چشتی کو خلافت و اجازت سلسلہ چشتیہ، نظامیہ، فخریہ، نوریہ، سلیمانیہ کی عطا کرتا ہے ۔ اور دعا کرتا

Marfat.com

ہے کہ خداوندِ کریم، بطفیلِ رسولِ کریم ﷺ و حضرات خواجگان اِن کو اپنے والد گرامی اور ان کے سلسلے کے مشائخ اور ہمارے سلسلے کے مشائخ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے قرآن و سنت کے مطابق تبلیغ و اخلاق اور ارشاد کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین!

خادم الفقراء

افتخار احمد چشتی صمدی سلیمانی عفی عنہ

۱۲ رمضان المبارک۔ ۱۴۱۶ھ جمعۃ المبارک ۲ فروری ۱۹۹۴ء

آپ فقیر کو گاہے گاہے خطوط بھی لکھتے رہتے ہیں۔ فقیر ۱۹۹۵ء میں بہاولپور میں ان سے ملا تھا اور بعد میں خود وہ لاہور میرے پاس تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ ان کی عمر اور عمل میں برکت عطا فرمائے۔ آمین ..... چشتی ۲ ستمبر ۱۹۹۴ء

۱۲ اکتوبر ۱۹۹۷ء، طارق علی احمد صاحب نے مفتی محمد سہیل کی موجودگی میں حضرت مولانا مرشد عبدالغنی چشتی صابری قدس سرہٗ کے مزار شریف واقع بادامی باغ لاہور پر فقیر (علی اصغر چشتی) کے ہاتھ پر بیعت کی اور خلافت سلسلہ چشتیہ صابریہ میں حاصل کی۔

Marfat.com

حضرت مولانا محمد امان اللہ خان صاحب (خانپور)

☆

آپ حضرت بابا سلیمان قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہِ مجاز ہیں ۔ ان کی عمر اس وقت (۱۹ اگست ۱۹۹۶ء) ۷۳ سال ہو گی ۔ عالم فاضل ، صوفیِ باصفا ، خوش بیان اور خوش نویس ہیں ۔ آپ نے طارق علی احمد صاحب کو ان کے والد حضرت شاہ محمد سلیمان قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلے میں خلافت نامہ عطا فرمایا ہے ۔ اللہ کریم آپ کا سایہِ ہما پایہ قائم و دائم رکھے ۔"

آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ

✻

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شجرہ طیبہ

حضرت بابا قلندر شاہ محمد سلیمانؒ

چشتی صابری بہاولپوری رحمتہ اللہ علیہ

☆

۱۔ سرورِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ مدینہ منورہ

۲۔ مولائے کائنات حضرت علی کرّم اللہ وجہہ۔ نجف اشرف

۳۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ بصرہ۔ بغداد

۴۔ حضرت خواجہ عبدالواحد اِبنِ زیدؒ ۔ بصرہ۔ بغداد

۵۔ حضرت خواجہ فضیل بن عیاضؒ جنت المعلیٰ ۔ مکہ معظّمہ

۶۔ حضرت شاہ ابراہیم ادھمؒ فلسطین ۔ نزد مزار حضرت لوط علیہ السلام

Marfat.com

۷۔ حضرت شاہ خذیفہ مرعشیؒ ۔ مرعش ۔ ملک شام

۸۔ حضرت شیخ ابوہبیرہ بصریؒ ۔ بصرہ بغداد

۹۔ حضرت شیخ ممشاد علو دینوریؒ ۔ دینور ۔ بغداد

۱۰۔ حضرت شیخ ابو اسحٰق شامیؒ ۔ عکہ ۔ ملکِ شام

۱۱۔ حضرت سید احمد ابدال چشتیؒ ۔ چشت شریف ۔ افغانستان

۱۲۔ حضرت خواجہ سید محمد چشتیؒ ۔ چشت شریف ۔ افغانستان

۱۳۔ حضرت خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتیؒ ۔ چشت شریف ۔ افغانستان

۱۴۔ حضرت خواجہ مودود چشتیؒ ۔ چشت شریف ۔ افغانستان

۱۵۔ حضرت حاجی شریف زندنیؒ ۔ زندنہ ۔ بخارا

۱۶۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ جنت المعلیٰ ۔ مکہ معظّمہ

۱۷۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ ۔ اجمیر شریف ۔ بھارت

۱۸۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ۔ دلی ۔ بھارت

۱۹۔ حضرت خواجہ بابا فرید الدین گنج شکرؒ ۔ پاک پتن ۔ پاکستان

۲۰۔ حضرت شیخ علاؤالدین علی احمد صابر کلیریؒ ۔ کلیر شریف ۔ بھارت

۲۱۔ حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتیؒ ۔ پانی پت ۔ بھارت

۲۲۔ حضرت شیخ جلال الدین پانی پتیؒ ۔ پانی پت ۔ بھارت

۲۳۔ حضرت شیخ احمد عبدالحقؒ ردولوی ۔ بارہ بنکی ۔ بھارت

۲۴۔ حضرت شیخ عارفؒ ردولوی ۔ بارہ بنکی ۔ بھارت

۲۵۔ حضرت شیخ محمد بن شیخ عارفؒ ۔ ردولوی ۔ بارہ بنکی ۔ بھارت

۲۶۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ گنگوہ ۔ سہارن پور ۔ بھارت

Marfat.com

۲۷۔ حضرت شیخ جلال الدین تھانیسریؒ ۔ تھانیسر ۔ بھارت

۲۸۔ حضرت نظام الدین بلخیؒ ۔ بلخ ۔ افغانستان

۲۹۔ حضرت شیخ ابوسعید گنگوہیؒ ۔ گنگوہ ۔ سہارن پور ۔ بھارت

۳۰۔ حضرت شیخ محمد صادق گنگوہیؒ ۔ گنگوہ ۔ سہارن پور ۔ بھارت

۳۱۔ حضرت محمد داؤد گنگوہیؒ گنگوہ ۔ سہارن پور ۔ بھارت

۳۲۔ حضرت شاہ ابوالمعالی چشتی صابریؒ ۔ انبیٹھ ۔ سہارن پور ۔ بھارت

۳۳۔ حضرت سید میراں بھیک چشتی صابریؒ ۔ گھڑام ۔ پٹیالہ ۔ بھارت

۳۴۔ حضرت شاہ عنایت بہلول پوریؒ ۔ بہلول پور ۔ بھارت

۳۵۔ حضرت شاہ عبدالکریم اخوند فقیرؒ ۔ رام پور ۔ بھارت

۳۶۔ حضرت صاحبزادہ غلام شاہ ۔ رام پور ۔ بھارت

۳۷۔ حضرت شاہ محمد امیرؒ ۔ رام پور ۔ بھارت

۳۸۔ حضرت شاہ محمد حسنؒ ۔ رام پور ۔ بھارت

۳۹۔ حضرت پیر محمد حسین چشتیؒ دربھنگہ ۔ کلکتہ ۔ بھارت

۴۰۔ حضرت شاہ نظام الدینؒ ۔ دولت آباد ۔ مشرقی پنجاب ۔ بھارت

۴۱۔ حضرت شاہ محمد پیر بخاریؒ ۔ لاہور

۴۲۔ حضرت پیر محمد حسین شاہؒ ۔ لاہور

۴۳۔ حضرت شاہ محمد سلیمان قلندر چشتی صابریؒ ۔ بہاولپور

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر افتخار احمد چشتی

کاشانۂ چشتیہ
فرحت منزل گلی نمبر ۲، وکیلاں والی پینڈ بازار
فیصل آباد (پاکستان) فون ۶۳۸۸۵۵۰

تاریخ ۱-۲-۱۹۹۶ء

مکرمی جناب شیخ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔

آپ کا گرامی نامہ مل گیا تھا ۔

آپ کا منی آرڈر بھی مل گیا تھا ۔

شکریہ

رمضان المبارک میں خاص دعاؤں میں یاد رکھیں

مجھے بھی دعاگو پائیں ۔

آپ کے لئے اجازت نامہ آج

تحریر کر کے ارسال کر دیا ہے

مبارک ہو ۔

برادرم صاحب کی خدمت میں و

اہل خانہ کی خدمت میں و

اہل سلسلہ کی خدمت میں و

حلقہ احباب کی خدمت میں

درجہ بدرجہ سلام

مخلص

افتخار احمد

پروفیسر طارق علی اکبر صاحب چشتی دامت برکاتہ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پروفیسر افتخار احمد چشتی

کاشانۂ چشتیہ
فرحت منزل گلی نمبر ۲ وکیلاں والی چنیوٹ بازار
فیصل آباد (پاکستان) فون: ۶۳۸۸۵۵

تاریخ ____________

۷۸۶
۷۹۶
۳۱۳

خادم الفقرا "حضرات ذوالجاہان چشت" کے مطابق
خلیفہ طارق علی احمد صاحب چشتی کو خلافت و اجازت
سلسلہ چشتیہ نظامیہ فخریہ نوریہ سلیمانیہ کی عطا کرتا
ہے۔ اور دعا کرتا ہے کہ خداوند کریم بطفیل رسول کریم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و حضرات ذوالجاہان چشت رحمہم اللہ ان کو
اپنے بزرگان گرامی اور ان کے سلسلہ کے مشائخ اور ہمارے
سلسلے کے مشائخ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے، قرآن و سنت
کے مطابق تبلیغ و اصلاح و ارشاد کی توفیق عطا فرمائے۔
آمین ثم آمین۔

خادم الفقرا
افتخار احمد چشتی سلیمانی
عفی عنہ

۱۲ رمضان المبارک
۱۴۱۶ھ
جمعۃ المبارک
(۲ فروری ۱۹۹۶ء)

٨٦ ٤
٩٢

یا شیخ یا قطب الاقطاب
امداد کن امداد کن
از بند غم آزاد کن

حق حق حق

کروں مدح اہلِ دُوَل رضاؔ پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

ما بجز حضرت شما
جز محبت دوستان داریم
از شما چشم مہر داریم

مدرسہ تنویر الاسلام بزم چشتیہ غنویہ
کوچہ سدھو مصر اندرون شاہ عالمی لاہور ۸

خادم الفقراء، علی اصغر چشتی صابری غنوی

تاریخ .... ۱۴ھ سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ مورخہ ۱۹ء

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم اجازت و خلافت نامہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۗ وَ
اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۙ وَّ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ ذٰلِكَ
فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝ وقال تعالیٰ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
وَ ابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

سید المرسلین سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم سفر معراج سے تشریف لائے تو اصحاب اربعہ کو طلب فرمایا اور مولائے کائنات علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ

الکریم کو خلافت و ولایت عطا فرما کر چار ترکی ٹوپی مرحمت فرمائی۔ مولائے کائنات کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے اصحاب میں سے چار حضرات سیدنا امام حسن، سیدنا امام

حسین، سیدنا کمیل بن زیاد اور حضرت خواجہ امام حسن بصری کو خلافت و ولایت عطا فرمائی۔ خواجہ حسن بصری نے ہر سہ سے فیضان حاصل کر کے حضرت خواجہ عبد الواحد

بن زید کو اور انہوں نے حضرت فضیل ابن عیاض کو اور انہوں نے سلطان ابراہیم ادہم کو، انہوں نے حضرت خواجہ حذیفہ مرعشی کو، انہوں نے خواجہ ابو ہبیرہ بصری کو، انہوں

(سلسلہ چشتیہ) نے خواجہ ممشاد علو دینوری کو، انہوں نے خواجہ ابو اسحاق شامی چشتی کو، انہوں نے خواجہ ابو احمد ابدال چشتی کو، انہوں نے حضرت خواجہ محمد چشتی کو، انہوں نے خواجہ

ناصر الدین ابو یوسف کو، انہوں نے خواجہ قطب الدین مودود چشتی کو، انہوں نے حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی کو، انہوں نے حضرت خواجہ عثمان ہارونی کو، انہوں نے

خواجہ خواجگان معین الدین حسن سجزی چشتی کو

اور انہوں نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو، انہوں نے زاہد الدنیا فرید الدین مسعود گنج شکر کو، اور انہوں نے

(سلسلہ صابریہ) مخدوم عالم و عالمیان خواجہ مخدوم علاؤ الدین صابر کلیری کو

اور انہوں نے حضرت خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی کو اور انہوں نے مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی کو اور انہوں نے شیخ العالم شیخ احمد عبد الحق ردولوی کو

اور انہوں نے اپنے فرزند ارجمند شیخ عارف ردولوی کو اور انہوں نے اپنے صاحبزادہ محمد ردولوی کو، اور انہوں نے

(سلسلہ قدوسیہ) قطب عالم شیخ عبد القدوس حنفی ردولوی ثم گنگوہی کو

اور انہوں نے حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری کو، انہوں نے حضرت شیخ نظام الدین تھانیسری ثم بلخی کو، اور انہوں نے حضرت شیخ ابو سعید گنگوہی کو، انہوں نے حضرت شیخ

محمد صادق گنگوہی کو، انہوں نے حضرت شیخ داؤد گنگوہی کو اور انہوں نے حضرت سید شاہ ابو المعالی انبیٹھوی کو، انہوں نے حضرت شیخ محمد سعید عرف شیخ میراں بھیکہ

(سلسلہ کلیمیہ) اور انہوں نے حضرت شیخ مناب اللہ کو اور انہوں نے حضرت خواجہ عبد الکریم ملا اخوند رام پوری کو، انہوں نے شیخ حافظ عبد الرحمٰن افغان رام پوری کو، انہوں

نے شیخ شاہ درگاہی رام پوری کو، انہوں نے شیخ محمود رام پوری کو، انہوں نے حضرت حافظ علی حسین مراد آبادی کو، انہوں نے

(سلسلہ محمدیہ) حضرت مرشد پاکان صوفی سید محمد حسین حسنی و حسینی ثم لاہوری کو

(سلسلہ ......) اور انہوں نے سراج السالکین حضرت شاہ سراج الحق حافظ کرنالوی ثم گورداسپوری کو

Marfat.com

يا ايها النبى انا ارسلنك شاهداً ... مرحبا چشتياں داروشنائی

یا حی یا قیوم برحمتک استغیث ... الہی تا بود ...

5٥/

٥٨٦
٩٢

حق حق حق

کروں مدح اہلِ دُوَل رضاؔ، پڑے اِس بلا میں میری بلا
مَیں گدا ہُوں اپنے کریم کا میرا دِین پارۂ ناں نہیں

مدرسہ تنویر الاسلام بزمِ چشتیہ غنویہ

کوچہ سدھو مہر اندرون شاہ عالمی لاہور ۸

خادم الفقراء: علی اصغر چشتی صابری غنوی

تاریخ .... ۱۴ھ .... مطابق ۱۹ء

اور انہوں نے حضرت شیخ حکیم روحانی و جسمانی عاشقِ ربانی حضرت مولانا حکیم عبد الغنی دسوھوی کو (رحمۃ اللہ علیہم) ....

اور انہوں نے فقیر حقیر سراپا تقصیر ابو مظہر علی اصغر جالندھری ثم سوہوی عفی اللہ عنہ کو فیضانِ سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ قدوسیہ سراجیہ غنویہ سے معاف فرمایا اور اپنے مرشدان کے حکم سے صاحب مجاز کیا۔

اب بندہ حقیر ابو مظہر علی اصغر اپنے عزیز محترم طارق علی احمد مدظلہ العالی ابن حضرت خواجہ محمد سلیمان بلند گوہر کو صاحب مجاز کرتا ہے تاکہ دینِ حق کی لوگوں کو تبلیغ کرے اچھے کاموں کی تلقین کرے اور برے کاموں سے روکے جیسا کہ ارشاد ہوا

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۝

بالتحقیق ...

الفقیر ابو مظہر علی اصغر چشتی صابری غنوی

۲۲ جمادی الاول ۱۴۱۸ھ ...

بروز پنجشنبہ ۲۵/۹ ۱۹۹۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خلافت نامہ

حق حق حق یا حیّ یا ھو یا فرید یا فرید یا فرید الحق یا فرید (اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ)

خلافت نامہ حضرات چشتی بدری فریدی صابری قادریہ عالیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۔

آراستے باب فراست و دانائے حکمت واضح ولائح باد کہ بحکم ذات پاک وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے وعدہ کے مطابق چلا آرہا ہے کہ جب وقت بندگان سے کسی کو حکمت و دانائی پہنچ جاوے اور صراط المستقیم کی نصیب ہو جاوے تو اس کو اجازت واذن سے سرفراز کیا جاوے تا کہ اس کی زبان سے ارشاد نکلے ۔ مخلوق خدا کو راہ ہدایت کا راستہ حاصل ہو۔ اس واسطے اس کو خلافت نامہ لکھ کر اور اس کا نام محمد طارق علی احمد صابری رکھ کر عنایت کیا گیا ۔ اس نے سمجھ ذکر، فکر، طریقت، شریعت، حقیقت، معرفت کی حاصل کرلی ہے اور ماذون کر دیا ہے ۔ اس واسطے سمجھ بدری، فریدی، چشتی صابری، قادری عالیہ کے بندگان سلاسل مذکور کو تعلیم صراط المستقیم کی حاصل راہ ہدایت کا حاصل کریں ۔ بندگان خدا کو شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت، عرفان میں مرفوع کریگا ۔ ہر متنفس کو واضح ہو کہ ان کی تابعداری کر کے راستہ ذکر و فکر فنا ثلاثہ کا حاصل کریں تا کہ فلاح و صلاح دارین اسی میں حاصل کریں ۔

مورخہ ۱۸ شوال المکرم ۱۳۸۵ھ ۵ فروری ۱۹۶۶ء

گواہ شد	گواہ شد	تحریر کنندہ خلافت نامہ
جناب حافظ [illegible]	جناب [illegible] صاحب	اجازت دہندہ
[illegible]	[illegible]	بحکم حضرت سید [illegible]
[illegible] شاہ [illegible]	محلہ [illegible]	[illegible]
[illegible]		فقیر حقیر [illegible] چشتی قادری

اوراد و وظائف

✲

دوازدہ (۱۲) تسبیحاتِ چشتیہ

ان کا اصل وقت نمازِ تہجد کے بعد اور نمازِ فجر سے قبل ہے۔ مغرب کے بعد ترتیبی طور پر مرشد ان کا ذکر کرواتا ہے۔ مرشدِ کامل سے ان کی ضربات کو اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے۔ اول استغفار و کلمہ شریف و درود شریف چشتیہ تین تین بار خوش الحانی سے پڑھیں۔ پھر ذکر نفی اثبات لَا اِلٰہ اِلّا اللہُ دوسو مرتبہ۔ ذکرِ اثبات اِلّا اللہُ۔ الّا اللہُ ۴۰۰ مرتبہ۔ ذکرِ اسمِ ذات اَللہُ اَللہُ ۶۰۰ مرتبہ۔ اَللہ ھُوا ۔۲۰۰ مرتبہ۔ حَقُّ حَقُّ ۲۰۰ مرتبہ۔ اَللہُ ھُواللہُ اَللہُ ۲۰۰ مرتبہ یا جس قدر زیادہ ہو سکے ☆ پاسِ انفاس کا ذکر ہمیشہ کریں۔

ترتیب شریف

نمازِ عشاء کے بعد قبل از وتر قبلہ رو بیٹھ کر ۷۸۶ مرتبہ بِسمِ اللہِ الرحمٰن الرحیم پڑھیں۔ پھر سر ننگا کر کے کھڑے ہو جائیں اور ایک ہزار بار یا ربُّ پڑھ کر سجدہ میں جا کر دعا کریں۔ پھر وتر پڑھیں۔ دین و دنیا کی ترقی کے لیے احسن وظیفہ ہے۔

Marfat.com

ترکیبِ فاتحہ شریف قادریہ

اول وآخر درود شریف قادریہ گیارہ گیارہ بار..... اَللّٰھُمَّ صَلِ عَلٰی مُحَمَّدٍ مَّعْدِنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَم ہ وَ اٰلِہٖ وَسَلِّم ۔ایک بار الحمد شریف ۔ایک بار آیت الکرسی ۔ ۔ت بار سورۃ اخلاص پڑھ کر بارواحِ پاک سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم، انبیاء والمرسلین، آلِ پاک، ازواجِ مطہرات اور صحابہ کرام اور بزرگانِ عظام سلسلہ ہذا کو ایصالِ ثواب کریں ۔سلامتی مرشد کی اگر زندہ ہوا اور سلامتی یارانِ طریقت واحباب کی رب العزت سے طلب کریں اور حصولِ فیضانِ الٰہی بواسطہ ارواحِ بزرگان کے دعا کر کے الحمد شریف و آیت نَصرٌ مِنَ اللہِ وَ فَتحٌ قریب ط و بَشِّرِالمومنین ط فاللہُ خیرٌ حافِظاً ط و ھُوَ اَرْحَمُ الرّاحِمِین ط پڑھیں۔

اورادِ روزمرہ

فجر کی سنت وفرض کے درمیان

اَستَغفِرُاللہَ الذِی لا اِلٰہ اِلا ھُوَالحَیَ القَیُّومُ وَ اُتُوبُ اِلَیہِ ط

ستر بار پڑھیں اور فجر کے فرضوں کے بعد یا رحمٰن ۲۰۰ بار، یا رحیم ۲۰۰ بار، یا حلیم ۲۰۰ بار پڑھیں۔

پنج گنج

بعد از نماز فجر یا عزیز ۱۱۱ بار یا اللہ ۱۱۱ بار

بعد از نماز ظہر یا کریم ۱۱۱ بار یا اللہ ۱۱۱ بار

Marfat.com

بعد از نماز عصر　　یا جبّار ۱۱۱ بار　　یا اللہ ۱۱۱ بار

بعد از نماز مغرب　　یا ستّار ۱۱۱ بار　　یا اللہ ۱۱۱ بار

بعد از نماز عشا　　یا غفّار ۱۱۱ بار　　یا اللہ ۱۱۱ بار

اور سونے کے وقت درود شریف قادریہ ۱۱۱ بار پڑھیں۔ زیادہ ہو سکے تو بہتر ہے۔ نیز سونے سے پیشتر درود شریف چشتیہ ۱۱۱ بار پڑھیں۔

حصار شریف

ہر نماز کے بعد پڑھا جاتا ہے۔

وَالشَّمسُ والقَمَرُ وَالنّجُومُ مُسَخَّرَاتٍ بِاَمرِہٖ ط الا لہ الخَلقُ وَالامرُ ط تبارَکَ اللہُ رَبُّ العَالَمِین ط گردِ من گردِ خانہءِ من گردِ زنِ من گردِ فرزندانِ من گردِ دوستانِ من و یارانِ من حاضر شدہ حصار شوی نگہدار باشی بحقِ حضرتِ سلیمانؑ ابنِ داؤدؑ بحقِ اِھیاً اَشرَاھِیاً وَ بحقّ مَلِیقاً مّلِیقاً۔ انتَ تَعلَمُ ما فِی قُلوبِھِم بِحَقِ لاَ اِلٰہ اِلا اللہُ مُحمّدٌ رّسُولُ اللہِ وَ بِحقِ یا مُومِنُ یا مُھَیمِنُ پڑھ کر دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی پر دم کر کے سر اور کان کے گرد تین بار پھیریں اور بعد میں یا باسِطُ ۷۲ بار پڑھ کر دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر دم کر کے سینے پر ملیں۔

ترکیب فاتحہ شریف چشتیہ

شجرہ شریف پڑھنے کے بعد ایک مرتبہ درود شریف چشتیہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ علیٰ سَیّدِنا مُحَمّدٍ وَّ علیٰ آلِ سَیّدِنا مُحَمّدٍ بَعَدَدِ کُلِّ ذَرَّۃٍ مِّائَۃَ اَلفَ اَلفِ مَرَّۃٍ ط ایک مرتبہ الحمد شریف۔ ایک مرتبہ آیت الکرسی اور تین مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھ کر بارواحِ حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم و جمیع انبیاء و مرسلین، آلِ پاک، صحابہ کرام و بزرگانِ عظام سلسلہ چشتیہ ہذا کو ایصال ثواب کریں۔ اگر مرشد بقیدِ حیات ہوں تو ان کے درجات

کی بلندی کے لیے دعا کریں۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا کریں کہ جو فیضان بزرگانِ سلسلہ ہذا کی ارواح وقلوب پر کیا ان کی برکت سے ہماری روح و قلب پر بھی نازل فرما۔ ایک مرتبہ یہ دعا کریں۔ اَللّٰهُمَّ اَلْحِقْنِی بِمُحَبَّتِكَ وَ مُحَبَّةِ حُبُيبِكَ بِبَرَكَةِ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ ط پھر اپنی تمام مرادات اللہ کے حضور عرض کرے۔

☆☆☆

از صاحبزادہ طارق علی احمد
ابنِ بابا شاہ محمد سلیمانؒ

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

مائیں تو ہوتی ہی اچھی ہیں لیکن میری ماں سیرت و صورت، کردار و عمل میں منفرد اور یگانہ تھیں۔ ہمارے پورے خاندان میں نہ تو ان کی زندگی میں کوئی ان جیسا تھا اور نہ ہی بعد از وفات ان جیسا کوئی ہے۔ آج ان کے بیٹے، پوتے، نواسے شادی شدہ اور صاحبِ اولاد ہیں جو خواتین ہمارے خاندان میں بیاہ کر آئی ہیں ماشاء اللہ اپنی اپنی جگہ اچھی ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی میری ماں کی برابری نہیں کر سکتی۔ برابری تو دور کی بات ہے ان کے پاسنگ بھی نہیں

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

پاکستان بننے کے بعد جن نامساعد حالات میں انہوں نے اپنے بال بچوں اور گھر بار کو سنبھالا وہ انہی کا حصہ تھا۔ آج کی خواتین ان مشکلات کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ جو انہوں نے صبر و شکر اور خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔ بیمار شوہر، نیا ملک، چھوٹے چھوٹے بچے، ذریعہ آمدنی محدود و مسدود۔ ان حالات کا انہوں نے انتہائی تندہی اور بردباری سے مقابلہ کیا اور بالآخر کامیاب رہیں۔ آج ہم یا ہماری اولادیں جو کامیابی و کامرانی کی زندگی گزار رہی ہیں سب ان کی ہی بدولت ہیں۔ ان مشکل حالات میں اگر ہماری ماں ہمیں نہ سنبھالتیں تو آج ہم کہاں ہوتے؟ ہماری اولادیں کہاں ہوتیں؟ آج ہم جو کچھ بھی ہیں انہی کے مبارک قدموں کی برکت سے ہیں۔ جو برکات و حسنات ہمیں حاصل ہیں سب انہی کے طفیل ہیں۔

میں نے اپنی ناں کو کبھی آرام کرتے نہیں دیکھا۔ صبح سے لے کر رات گئے تک گھریلو کام کاج میں مصروف رہتیں۔ کپڑوں کی دھلائی، گھر کی صفائی، بچوں کا نہلانا دھلانا، تینوں وقت کا کھانا پکانا، ہم سب کو کھلا پلا کر اسکول اور کالج روانہ کرنا، پھر اپنے شوہر کے کھانے پینے کا خصوصی انتظام کرنا۔ یہ سب کچھ ان کے معمولات میں داخل تھا۔ انہوں نے نہ صرف ہماری پرورش کی بلکہ نواسے، نواسیوں کی پرورش بھی انہی کے ذمہ تھی کہ ہماری بڑی بہن شادی کے بعد حصول تعلیم کیلئے ہاسٹل میں تھیں۔ انہوں نے اپنے نواسے اور نواسیوں کی بالکل اسی طرح پرورش کی جیسے وہ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کا خیال کرتیں۔ والد صاحب کی ڈیوٹی کے اوقات مقرر نہ تھے۔ وہ کسی بھی وقت جاتے اور کسی وقت واپس آتے۔ رات دن کا کوئی پتہ نہ ہوتا۔ شدید سردیوں کی راتوں میں والد صاحب ڈیوٹی سے واپس آتے تو وہ انہیں تازہ روٹی پکا کر دیتیں۔ سامنے آگ کا الاؤ جلا دیتیں تاکہ انہیں راحت ہو اور ملازمت کی تلخی اور کلفت کم ہو جائے۔ انہوں نے تمام زندگی شوہر اور بچوں کی خدمت میں گزار دی اور کبھی کوئی دنیاوی صلہ نہ مانگا۔ میں نے والد صاحب سے انہیں کبھی کوئی فرمائش کرتے نہیں دیکھا۔ میرے والد کے مزاج میں خاصی تمکنت تھی جبکہ میری ماں کے مزاج میں انکسار اور فروتنی، یہی وجہ ہے کہ ان کی تمام زندگی شوہر پرستی میں گزری حتیٰ کہ آخری ایام میں وصیت فرمائی کہ اس دنیا سے پردہ کرنے کے بعد مجھے میرے شوہر کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ جیسا مشرقی وقار ان میں تھا شاید ہی کسی اور میں ہو۔ ہمارے گھرانے میں اردو زبان کا چلن ان کی وجہ سے ہوا۔ ہمارا لب و لہجہ اور تلفظ انہی کی دین ہے۔ ایک پڑھی لکھی اور مہذب خاتون ہونے کے ناطے انہوں نے تہذیب و وقار کو ہمارے مزاج میں راسخ کیا۔ انہیں رسول کریم ﷺ اور اولیائے کرام سے بڑی محبت تھی۔ بارہ وفات اور گیارھویں شریف کے مواقع پر طعام پکا کر فاتحہ دلواتیں۔ محرم میں شہیدانِ کربلا کے نام سے الگ الگ نیاز دلواتیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ ۱۹۳۶ء میں والد صاحب کے ہمراہ پیرانِ کلیر کے عرس پر کلیر شریف تشریف لے

Marfat.com

گئیں۔ مرشدِ گرامی حضرت شاہ محمد حسین باغبانپوری لاہوریؒ کی خصوصی دعوت پر والد صاحب کے ہمراہ بھاگل پور صوبہ بہار (انڈیا) سے باغبانپورہ لاہور تشریف لائیں اور لاہور کی زیارات سے مستفید ہوئیں۔ یہ واقعہ ۱۹۳۸ء کا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد ابتدائی عشروں میں مالی تنگ دستی عام تھی۔ لیکن یہاں بھی میری ماں کی نیک بختی ہمارے کام آئی ان کی سلیقہ مندی کی وجہ سے لوگ ہمیں خوشحال ہی سمجھتے تھے ان کے سلیقے کی بدولت ہمارے گھر میں ہر وقت ہر چیز موجود رہتی۔ بہت اچھا کھانا پکاتیں جس سے صرف ہم ہی نہیں بلکہ کثرت سے آنے والے مہمان بھی مستفید ہوتے۔ میری ماں بڑی مہمان نواز اور رحمدل تھیں۔ میرے والد کے اہل خاندان اکثر ہمارے گھر میں بطور مہمان آتے اور کئی کئی دن قیام کرتے۔ میری ماں ان کے کھانے دانے کا معقول انتظام کرتیں اور کبھی ماتھے پر بل نہ لاتیں۔ میرے دادا بزرگوار فیصل آباد سے ہمارے گھر ملتان آتے تو والدہ ان کا بڑا احترام کرتیں اور ان کے کھانے پینے کا پورا خیال رکھتیں۔ میرے دادا میری ماں کی خدمت گزاری کے باعث ان کے لئے تعریفی کلمات کہتے اور دعا گو رہتے۔

میری ماں صبر و شکر اور تسلیم و رضا کا پیکر تھیں۔ عجز و انکسار، نیاز مندی اور فروتنی ان کی شخصیت کا جزو تھے۔ گھر کی چار دیواری ان کی دنیا تھی۔ دروازے کی دہلیز کے باہر کیا ہے؟ انہیں معلوم نہ تھا وہ تو اپنے گھر اور بچوں میں گم تھیں کہ بس یہی ان کی کائنات تھی۔

میری ماں سادات گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کا نام سیدہ آمنہ تھا۔ وہ خوب سیرت بھی تھیں اور خوبصورت بھی۔ ہاتھ کشادہ تھا۔ مانگنے والے کو کچھ نہ کچھ ضرور دیتی تھیں۔ ہمت اور حوصلے والی خاتون تھیں اور یہ ہمت و حوصلہ انہیں اپنی ماں سے ورثے میں ملا تھا۔ ان کے والد سید اشرف الدینؒ مرفع الحال بزرگ تھے۔ ان کا وسیع اور حویلی نما گھر ان کی خاندانی وجاہت کا پتہ دیتا تھا۔ مصطفیٰ پور صوبہ بہار (انڈیا) میں ان کی وسیع زرعی اراضی تھی۔ میرے نانا جوانی میں ہی وفات پا گئے تو میری نانی نے تنِ تنہا چار بیٹوں اور چار بیٹوں کی

Marfat.com

پرورش کی۔ انہیں پڑھایا لکھایا اور ان کی شادیاں بھی کیں۔ اپنی ماں کی ہمت و استقامت میری ماں کو ورثے میں ملی تھیں میری ماں نے پاکستان بننے کے بعد انتہائی نامساعد حالات میں ہماری پرورش کا گرانقدر فریضہ انتہائی محنت اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا۔ جذبۂ ایثار اور استقامت ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑ کر اپنے شوہر اور بچوں کی محبت کے سہارے پاکستان چلی آئیں اور تادم آخر یہیں رہیں۔

آج وہ اس دنیا میں نہیں لیکن ہمیں جو بھی عزت و دولت و وقار حاصل ہے اس کا منبع و مرکز ہماری ماں ہے۔

ہستی ما محکم از آلام اوست
صبح ما عالم فروز از شام اوست

خدا کا شکر ہے کہ اس نے ماں جیسی نعمت بخشی۔ بے شک ان کے مقدس قدموں میں جنت ہے۔ صرف آخرت میں ہی نہیں، دنیا میں بھی۔ ماں کے قدموں کے نیچے جنت نہیں تو اور کہاں ہو سکتی ہے؟ کس قدر شکر کا مقام ہے کہ میری ماں میری ہے اور میں اس کا ہوں۔ سورج، چاند، ستارے اور خود زمین فنا ہو سکتی ہے لیکن میری ماں مجھ سے جدا نہیں ہو سکتی۔ میں اس کا ہوں اور وہ میری رہے گی۔

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر
مثلِ ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا

اے خدا میری ماں کے درجات بلند فرما اور انہیں غریق دریائے رحمت کر۔ آمین
۔ آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ

Marfat.com

از محترمہ زاہدہ اکرم
بنت بابا شاہ محمد سلیمانؒ

ماں پیاری ماں

دنیا میں جو کچھ بھی ملا تیری دعاؤں سے ملا
تو چاہتوں کا آستاں تو برکتوں کی کہکشاں
تسکینِ دل، تنویرِ جاں میری متاعِ دو جہاں
اے میری ماں اے میری ماں

ماں ایک احساسِ تحفظ، انمول اور مقدس رشتے کا نام ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں۔ میری والدہ حسن و سیرت، صبر و شکر اور ایثار کا پیکر تھیں۔ ویسے تو ہر اولاد کو اپنی ماں بہت پیاری لگتی ہے۔ لیکن میری ماں میں جو خوبیاں تھیں وہ کسی اور میں کہاں! ان کی محبت و شفقت صرف ایک اولاد تک محدود نہیں تھی، انہوں نے تو سب بچوں کو بہت پیار دیا۔

میں ان کی سب سے چھوٹی بیٹی ہوں۔ ان کی زندگی کے لمحات جو میرے ساتھ گزرے وہ بے حد خوبصورت تھے۔ وہ میرے تمام بچوں سے بے حد پیار کرتی تھیں۔ چنانچہ ان کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ میرے تمام بچوں نے تعلیمی میدان میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اللہ کا فضل و کرم ہے کہ میری ایک بیٹی ڈاکٹر ہے، جبکہ دوسری لیکچرر ہے، داماد بھی ڈاکٹر ہیں جو نہایت سعادت مند ہیں۔ میرے دونوں بیٹوں نے بھی نمایاں کامیابیاں حاصل کیں۔

اکثر میں نے پوچھا کہ امی جی آپ کو سب سے زیادہ کس سے پیار ہے تو وہ مجھے محبت بھری نگاہوں سے دیکھتیں۔ ان کی نگاہیں مجھ پر مرکوز ہو جاتیں اور اس کے بعد میرے بھائی

Marfat.com

طارق علی احمد کا نام لیتیں جو بسلسلۂ روزگار راولپنڈی میں تھے اور صرف تعطیلات پر ملنے آتے ۔اس لئے ان کو زیادہ یاد کرتی تھیں۔بڑے بھائی اسد علی احمد سے بہت محبت کرتیں۔اس لئے کہ وہ ہم سب کے لئے سراپا ایثار اور محبت ہیں۔

ان کی شخصیت میں جو نکھار تھا وہ ان کی عبادت سے تھا۔وہ صلوٰۃ دائمی کا ورد کرتیں اور قرآن شریف کی تلاوت کرتیں۔اس کے علاوہ جب تک ان کی نظر نے ساتھ دیا علمی و ادبی کتب پڑھتی تھیں۔اسلام نے عورت کو عزت واحترام کا جو مقام دیا ہے وہ دنیا کے کسی اور مذہب نے نہیں دیا۔اس کا تقاضا یہ ہے کہ عورت اپنے فرائض سے آگاہ ہو۔اس دور میں عورت کیلئے تعلیم حاصل کرنا مشکل تھا۔انہوں نے معیاری تعلیم حاصل کی۔وہ بچپن میں تعلیم حاصل کرنے بگھی پر جاتی تھیں۔بگھی میں چاروں طرف پردے کا انتظام ہوتا تھا ان کا علمی شوق انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ہم لوگ جب سکول کا ہوم ورک کرتے تو میری امی بھی تاریخی اور دینی کتب پڑھتی رہتیں۔اخبار بھی پڑھتیں اور ہر خبر سے باخبر رہتیں۔تعلیم یافتہ ہونے کے سبب سے ہی انہوں نے ہم سب کی بہت اچھی تعلیم وتربیت کی۔دینی تعلیم پر بچپن سے ہی توجہ دی۔فجر کی نماز کے بعد ہمیں مسجد بھیج دیتی تھیں اور مسجد سے واپسی پر ہم سب بھائی بہنوں کو سکول کیلئے تیار کرتیں۔وقت کی بہت پابند تھیں اس دور میں جب کوئی سہولت نہ تھی۔میری والدہ ہر کام خود کرتی تھیں۔کوئی مددگار یا ملازمہ نہ تھی۔یہی وجہ تھی کہ بڑھاپے میں بھی بہت سمارٹ اور حسن کا مرقع تھیں۔ہر روز لباس تبدیل کیا کرتی تھیں وہ کلف شدہ ساڑھی پہنتیں اور بالوں میں کنگھی کر کے جوڑا بنالیا کرتی تھیں۔اکثر میں ان کا کام کرنے کو کہتی تو مجھے یہ کہہ کر ٹال دیتیں تھیں کہ تم سارا دن بچوں کے کام کر کے تھک جاتی ہو۔

روحانی علم انہیں حاصل تھا۔اکثر اوقات رات گئے تک بیٹھی اللہ کا ذکر اور ورد کرتی تھیں۔ہم لوگ چھوٹے تھے اور ان علوم سے ناواقف تھے لیکن اب جبکہ میں خود بچوں والی ہوں اور سوچتی ہوں تو ساری باتیں سمجھ میں آجاتی ہیں۔اللہ مجھے ان کی پیروی کی توفیق دے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں حقوق العباد پورا کرنے کی بھی توفیق بخشی۔ انہیں سب کی فکر ہوتی۔ جب بھی کھانا یا ناشتہ کرنے بیٹھتیں تو جب تک سب بچوں سے کھانے کا نہ پوچھ لیتیں تب تک نوالہ منہ میں نہ ڈالتیں۔ انہیں نہ صرف اپنے گھر بلکہ ہمسائے میں بسنے والوں کی بھی فکر ہوتی۔ وہ حسنِ اخلاق کا پیکر تھیں۔ اسی وجہ سے ایک وسیع حلقہ ان کا گرویدہ تھا۔ نہ صرف انسان بلکہ جانوروں سے بھی پیار تھا۔ سردیوں میں خاص طور پر ان کا خیال رکھتی تھیں۔ ایک بلی پالی تھی اس کے کھانے اور آرام کا بہت خیال تھا۔ بلی کے آرام کیلئے باقاعدہ نرم گرم بستر تیار کرتی تھیں۔ تاکہ سردیوں سے محفوظ رہ سکے۔ اس کے علاوہ پرندوں کا بہت خیال رکھتیں۔ صبح صبح پرندوں کو روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے ڈالتی تھیں اور ان کے لئے مٹی کا پیالہ تازہ پانی سے بھرا رکھتیں۔ نہ صرف انسانوں سے بلکہ جانوروں اور پرندوں سے بھی اتنا ہی پیار تھا۔ ان خوبیوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہر کام کتنے سلیقے اور ترتیب سے کرتی تھیں۔ وہ رضائے الٰہی کے حصول کیلئے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں کوشاں رہتی تھیں۔

ذہانت کا تو کوئی جواب نہ تھا۔ ہر بات موقع و محل کے مطابق کرتی تھیں۔ جب بھی کوئی بات کرتا تو موضوع کے مطابق کوئی نہ کوئی ضرب المثل اور محاورہ بیان فرما دیتیں اور بعض اوقات تو ایسے محاورے کہہ جاتیں جو ہمارے سر پر سے گزر جاتے۔ اگر فوری طور پر کاغذ دستیاب نہ ہوتا تو ان کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ و محاورے ہم دیوار پر ہی فوراً لکھ لیتے کہ کہیں ذہن سے نکل نہ جائیں۔ یادداشت کا یہ عالم تھا کہ ان کو اپنے بچپن کی سنی اور پڑھی ہوئی کہانیاں یاد تھیں۔ ہم لوگ ان سے مزے لے لے کر کہانیاں سنتے اور ان کی خدمت بھی کرتے یعنی ہاتھ پاؤں دباتے تاکہ انہیں تھکن کا احساس نہ ہو اور یوں وقت گزرنے کا احساس نہ ہوتا۔ کچھ کہانیوں کے نام مجھے اب بھی یاد ہیں۔ جیسے "مرچ بھولا۔ منہ بھاکرا۔ لال خربوزے کی شہزادی۔ اڑن کھٹولہ" وغیرہ وغیرہ۔

میری ماں بہت سادہ اور معصوم تھیں۔ ان کے بھولپن اور سادگی کا اندازہ صرف

Marfat.com

اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی زندگی کے آخری ایام میں انہیں امید تھی کہ اگر پیٹ کا درد ختم ہو جائے تو میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔ میرے بڑے بھائی اسد علی احمد صاحب اور میری بڑی ہمشیرہ محترمہ روشن آراء نے بیماری کے ایام میں ان کی بہت خدمت کی۔ انہی دنوں چھوٹے بھائی طارق علی احمد صاحب حج کی سعادت حاصل کرنے گئے ہوئے تھے افسوس ان کی زندگی نے ساتھ نہ دیا اور بیٹے کی واپسی سے پہلے ہی اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ میری ماں "میرے آنگن کی خوشبو" مجھ سے بہت دور چلی گئیں۔ ان کے چلے جانے سے میرے گھر کی رونق اور برکت سب ختم ہو گئی۔ میری "جنت" مجھ سے دور ہو گئیں۔ لیکن میرے دل کے قریب اب بھی موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین!

Marfat.com

از پروفیسر مزمّلہ اکرم
اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

امی جی..... (جو مشفق ماں اور روحانی ہستی تھیں۔)

یاد سے تیری دلِ درد آشنا معمور ہے
جیسے کعبے میں دعاؤں سے فضا معمور ہے

جب جب میں نے بیتے دنوں اور بیتے لمحوں کو یاد کیا تب تب مجھے میری امی جی یاد آئیں۔ "امی جی" بظاہر چند حرفوں پر مشتمل دو الفاظ ہیں مگر در حقیقت اپنے اندر سمندروں جیسی وسعت لئے ہوئے ہیں۔ امی جی نمازی، پرہیز گار اور متشرع مسلمان تھیں۔ ہمدرد، نرم خو، رحمدل، دوسروں سے محبت کرنے والی صابر اور نیک خاتون تھیں ہر کسی سے محبت کرنا ان کی فطرت میں شامل تھا۔ دوسروں کے دکھ درد میں شامل ہوتی تھیں اوروں کے دکھ بٹانا، اوروں کے کام آنے کو عبادت سمجھتی تھیں۔ محبت اور پیار کا اک ایسا سمندر تھیں جس کی وسعت سب کیلئے یکساں تھی چاہے وہ اپنے ہوں یا انجانے ہوں۔

وہ ایک خوبصورت خاتون تھیں۔ گوری رنگت، سیدھے گھنے بال، سرمئی آنکھیں اور مسلسل پان کھاتے رہنے کی عادت کی وجہ سے سرخ ہونٹ۔ ناک میں سونے کا کیل ہر وقت پہنے رہتی تھیں اور ہاتھوں میں چوڑیاں ہمیشہ رہتی تھیں۔ صرف ایک ہاتھ میں چوڑیاں نہیں پہنتی تھیں بلکہ آدھی آدھی کر کے دونوں ہاتھوں میں پہنتی تھیں کہتی تھیں کہ ایک ہاتھ میں چوڑی پہننے سے دوسرا ہاتھ بد دعا دیتا ہے۔ مہندی لگانا انہیں پسند تھا۔ گرمیوں میں سر، ہاتھ اور پاؤں پر مہندی کا لیپ لگاتی تھیں اور سوکھ جانے پر دھو ڈالتی تھیں۔ ناخنوں پر ضرور مہندی لگاتیں کہ بی بی عائشہؓ کو بھی ناخنوں پر مہندی لگانا محبوب تھا۔ بالوں میں چنبیلی کا

Marfat.com

تیل ڈالتیں اور پراندے کے ساتھ چٹیا کر کے بالوں کا جوڑا بناتی تھیں۔ گرمیوں میں سفید، سفید۔ اجلی، اجلی کلیاں بالوں اور کانوں میں پہنتی تھیں۔ آنکھوں میں سرمہ ضرور لگاتی تھیں صفائی کا خاص اہتمام کرتی تھیں۔ ہاتھ کے ناخنوں کو باقاعدگی سے ترشواتی تھیں اور کبھی انہیں انگلیوں کے گوشت سے باہر نکلنے نہیں دیا۔ ہمیشہ ساڑھی پہنی، کبھی قمیض شلوار استعمال نہیں کی۔ نازک بدن اور بوٹے سے قد پر ساڑھی خوب سجتی تھی۔ ساڑھی کی فال ہمیشہ خود بناتیں۔ پیٹی کوٹ اور بلاؤز خود سیتی تھیں۔ اس زمانے میں گھر گھر سلائی مشین نہیں ہوتی تھی لہٰذا سوئی دھاگے کے ساتھ ہاتھ سے کپڑے سیتی تھیں۔ جمعہ کا خاص اہتمام کرتی تھیں۔ دانتوں کو برش سے اچھی طرح صاف کر کے اپنے کپڑے دھو کر نہاتیں اور دھلے ہوئے صاف کپڑے پہنتی تھیں۔ بالوں میں چنبیلی کا تیل ڈال کر چٹیا بناتیں پھر اس کا جوڑا بنا کر جوڑے کو پن لگا دیتی تھیں۔ عطر ضرور لگاتیں۔ انہیں "رشک منیر" عطر بہت پسند تھا۔ گرمیوں میں تبت ٹالکم پاؤڈر اور تبت کریم ضرور استعمال کرتیں۔ آم کی شکل والی سرمہ دانی سے سرمہ کی سلائی "بسم اللہ" پڑھ کر نکالتیں اور "یا اللہ یا نور" پڑھتے ہوئے پہلے دائیں آنکھ میں سرمہ لگاتیں پھر بائیں آنکھ میں سرمہ لگاتیں۔ اپنا سارا سامان ایک چھوٹی سی صاف ٹوکری میں ترتیب سے رکھتی تھیں۔ دن کا آغاز اللہ کے نام سے کرتیں۔ صبح کی نماز پڑھنے کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کرتیں پھر گھر کے کام کاج میں مشغول ہو جاتیں۔ زندگی کے آخری دس بارہ سال بینائی سے محروم گزرے۔ پہلے آنکھوں مین موتیا اترا جو آہستہ آہستہ پھیلتا گیا۔ آپریشن کروایا مگر رفتہ رفتہ بینائی زائل ہوتی گئی آخری ایام میں نظر آنا تقریباً بند ہو گیا تھا مگر کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ سے کبھی شکوہ نہیں کیا بس یہی دعا کرتیں کہ "یا اللہ میری آنکھوں کو ٹھیک کر دے"۔

بینائی سے محرومی کے بعد بھی اپنے سارے کام خود کرتیں۔ نہانا دھونا، صفائی کرنا، اپنے کپڑے خود دھونا، نواسے، نواسیوں، پوتے، پوتیوں کو نہلانا دھلانا، ان کے کپڑے دھونا

، لہسن پیاز بنانا اور دیگر گھر کے کام کاج کرنا آخری وقت تک کرتی رہیں۔ امی جی، اللہ کی رحمت سے کبھی ناامید نہیں ہوئیں۔ صبح وضو کرتے وقت ٹھنڈے پانی کے چھینٹے آنکھوں میں مارتیں اور "یااللہ یانور" کا ورد کرتی جاتیں۔ نمازِ چاشت باقاعدگی سے ادا کرتیں۔ ناشتہ سے قبل کم از کم دو گھنٹے تک عبادت میں مشغول رہتی تھیں۔ انہیں بہت سی قرآنی آیات اور سورتیں زبانی یاد تھیں چنانچہ بینائی زائل ہونے کے بعد بھی قرآنی سورتیں باقاعدگی سے پڑھتیں۔ سورۃ المزمل اور عہد نامہ ضرور پڑھتیں پھر تسبیح میں مصروف ہو جاتیں۔ تسبیح کے دانے گرتے جاتے اور امی جی آنکھیں بند کیے "تسبیح و تحمید" میں مصروف رہتیں۔ کبھی کبھار اونگھ آجاتی تو ہڑبڑا کر اٹھ جاتیں اور پھر تسبیح پڑھنے میں مشغول ہو جاتیں۔ عبادت کے بعد ناشتہ کرتیں۔ ناشتہ میں سادہ روٹی اور کبھی کبھار پراٹھا کھاتیں جو کھانے کو مل جاتا۔ شکر کر کے کھا لیتی تھیں۔ بڑھاپے میں دانت کمزور ہو گئے تھے۔ کچھ نکلوا دیئے تھے تو موٹی روٹی کھاتیں۔ چائے پیالے میں پیتیں۔ پھونکیں مار مار کر چائے پیتیں پھر پاندان سے پان نکال کر کتھا، چونا لگاتیں سپاری کے چند دانے اور تمباکو کی ایک چٹکی ڈال کر گلوری بناتیں اور منہ میں رکھ لیتیں۔ پاندان کی صفائی کا خاص خیال رکھتیں۔ سروتہ سے سپاری خود کتر کر علیحدہ شیشی میں رکھتیں اور جو بچہ مانگتا اسے فوراً دے دیتیں۔ کبھی کبھار چاندی کا ورق اور الائچی بھی استعمال کرتیں۔ گھر کے چھوٹے موٹے کام کاج کے بعد نہا دھو کر ظہر کی تیاری کرتیں اور ظہر کی نماز کے بعد بھی کافی دیر تک تسبیح کرتی رہتیں۔ عصر اور مغرب کی نمازوں کے بعد بھی کافی کافی دیر تک تسبیح پڑھتیں۔ عشاء کی نماز سے قبل رات کا کھانا کھا لیتیں۔ کھانے میں ہمیشہ سادگی پسند رہیں۔ رات کو ابلے ہوئے چاول کھاتیں۔ چاول اور مچھلی کا سالن ہمیشہ مرغوب غذا رہی۔ دال ، بھات بھی پسند کرتیں۔ میں ان کی سب سے چھوٹی نواسی ہوں۔ ان کی لاڈلی نواسی جن کا نام خود انہوں نے رکھا "مزملہ" کہتیں۔ سورۃ المزمل میں اللہ تعالیٰ نے بڑے پیار سے اپنے محبوب حضرت محمد ﷺ کو "یا ایھا المزمل" کہہ کر پکارا۔ سورۃ المزمل کی مناسبت سے میرا نام

Marfat.com

مزمّلہ رکھا۔ گھر میں پیار سے سب ''مومی'' کہتے۔ امی جی لاڈ سے مجھے ''مومو'' کہہ کر پکارتیں ۔رات کا کھانا میں نے ہمیشہ ان کے ساتھ کھایا۔ ایک ہی پلیٹ میں چاول ڈال کر ہم دونوں نانی ،نواسی مل کر کھاتے۔ اگر انہیں بھوک نہ بھی ہوتی تو میری وجہ سے چند لقمے ہی سہی مگر کھانا کھالیتیں۔

برابر والا گھر اسد ماموں کا گھر ہے جنہیں ہم سب بہن بھائی ''بڑے ماموں'' کہتے۔ امی جی ان کے چار بچوں کی دادی اور ہم پانچ بہن بھائیوں کی نانی تھیں لیکن ہم سب انہیں ''امی جی'' کہہ کر پکارتے ان کے بچے بھی انہیں ''امی جی'' ہی کہتے۔ وہ پورے خاندان کی ''امی جی'' تھیں۔ ساتھ رہنے کی وجہ سے امی جی سے لگاؤ اور محبت زیادہ ہوتی گئی۔ وہ خود اتنا پیار کرنے والی ہستی تھیں کہ محلے کے باقی بچے بھی انہیں ''امی جی'' کہہ کر پکارتے۔

امی جی کی ایک اور خاص بات ان کی کہانیاں تھیں۔ وہ کہانیاں اتنے مزے سے سناتیں کہ سننے والے کو احساس ہوتا کہ وہ خود ''کہانی'' کا ایک حصہ ہے۔ رات کو کھانے کے بعد عشاء کی نماز سے فارغ ہو جانے کے بعد ہم نو بچے (چار پوتے پوتیاں اور پانچ نواسے نواسیاں) ان کی چارپائی کے گرد جمع ہو جاتے وہ محبت کے ساتھ کسی کو داہنی طرف ، کسی کو بائیں طرف ، کسی کو سرہانے اور کسی کو پائینتی کی طرف بٹھالیتیں اور پھر کہانی شروع ہو جاتی گرمیوں میں ہم سب گھر کی چھت پر سوتے تھے جس روز صحرا کی ٹھنڈی ہوا نہ چل رہی ہوتی اس روز امی جی ہاتھ والے پنکھے سے ہوا جھلتی تھیں اگر ہم امی جی سے پنکھا لے لیتے تو امی جی کہتیں ''نہیں بیٹا! تمہارا ہاتھ دکھ جائے گا'' اور خود ہوا جھلتی رہتیں۔ کہانی سناتے سناتے اگر انہیں اونگھ آنے لگتی تو ہم امی جی کا کندھا ہلا دیتے اور امی جی دوبارہ کہانی سنانے لگتیں۔ آواز کے اتار چڑھاؤ اور چہرے کے تاثرات سے کہانی میں جان پیدا کر دیتیں۔ یہ انہی کی سنائی ہوئی سبق آموز کہانیوں کا اثر ہے کہ ہم سچ سے محبت اور جھوٹ سے نفرت کرنے لگے۔ آج کے کمپیوٹر ایج میں بچوں کو ایسی ''امی جی'' نہیں مل سکتیں جو کہانیوں کے ذریعے سچائی اور محبت کے

Marfat.com

جذبات پیدا کر سکیں۔

سونے سے پہلے امی جی عہد نامہ پڑھ کر سب بچوں پر دم کرتیں۔ جمعہ کی نماز کے بعد امی جی کسی بچے کو آواز دیتیں کہ "پانی لانا" پھر بہت سی سورتیں پڑھ کر پانی پر دم کرتیں اور ہم سب بچوں کو تھوڑا تھوڑا پینے کو دیتیں۔ جس بچے کا امتحان ہوتا وہ خاص طور سے "امی جی" سے اپنے پرچے کے لئے دعا کرواتا اور کامیاب ہو جاتا۔

سردیوں میں مجھے یاد ہے کہ امی جی ہیٹر کی بجائے "بورسی" استعمال کرتیں۔ "بورسی" ایک چھوٹی سی مٹی کی ہانڈی ہوتی تھی جس میں امی جی کوئلے توڑ کر سلگاتیں۔ دھواں ختم ہو جانے پر جب کوئلے خوب دہک جاتے تو امی جی "بورسی" کو چارپائی کے نیچے رکھ دیتیں۔ اس سے کمرہ بھی خوب گرم ہو جاتا۔ ہمیں سردیوں کا خوب انتظار رہتا کیونکہ سردیوں میں چھوٹے چھوٹے نئے آلو لے کر ہم بورسی میں رات کو ڈال دیتے، صبح اٹھ کر بھنے ہوئے آلو نکال لیتے اور مزے لے کر کھاتے۔

انہیں اللہ پر کامل یقین تھا۔ "اللہ" سمجھنے سے جلدی سمجھ نہیں آتا بلکہ مان لینے سے جلدی سمجھ آتا ہے۔ امی جی ایسی راست گو، پاکباز، متقی اور پرہیزگار مسلمان تھیں جو اللہ کی ہر رضا پر راضی اور ہر مشکل گھڑی میں صبر و ایثار کا پیکر ہو۔ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے نہایت عقیدت اور محبت رکھتیں۔ سیرت النبیؐ پر لکھی گئی بیشتر کتابیں انہوں نے پڑھ رکھی تھیں۔ حضور اور دیگر صحابہ کرامؓ کے بہت سے واقعات انہیں زبانی یاد تھے اور اکثر ہمیں سنایا کرتیں۔ اللہ کے ذکر سے زبان تر رہتی۔ درود شریف بھی بکثرت پڑھتیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میرے سر میں کبھی درد ہوتا تو امی جی میری پیشانی کو اپنے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے پکڑتیں اور منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ کر سر پر دم کرتیں اور سر کا درد کافی حد تک زائل ہو جاتا۔ اگر کبھی میں چپکے سے اپنا ہاتھ ان کے کاندھے پر رکھتی تو وہ فوراً میرے ہاتھ کا لمس پہچان لیتیں اور کہتیں "میری مومو آئی ہے"۔ ان کی

Marfat.com

آنکھوں کی روشنی تو چلی گئی تھی مگر دل کی روشنی باقی رہی۔

وفات سے تقریباً پندرہ روز قبل وہ شدید علیل ہو گئیں۔ شدید بیماری اور تکلیف میں بھی اللہ کا شکر ادا کیا اور کبھی اللہ سے شکوہ نہیں کیا۔ بیماری کی وجہ سے خوراک کی نالی بہت تنگ ہو گئی اور پیٹ سخت ہو گیا تھا جو کچھ انہیں کھانے کو دیا جاتا وہ باہر واپس آجاتا اتنی تکلیف میں بھی یہیں کہتیں "بس میرا پیٹ ترنگ ہو گیا ہے اس کی سختی ختم ہو جائے تو سب ٹھیک ہو جائے گا"۔ مرنے سے چند گھنٹے قبل آپا (بڑی خالہ) سے کہا "میں نے نہانا ہے، مجھے نہلاؤ" آپا اور میری بڑی بہن (ماموں زاد) انہیں لے کر غسل خانے گئے اور انہیں نہلایا، ابھی غسل خانہ سے مکمل باہر بھی نہیں آئے تھے کہ جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون

(اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کے درجات بلند کرے۔ امین)

Marfat.com

انوارِ قلندر

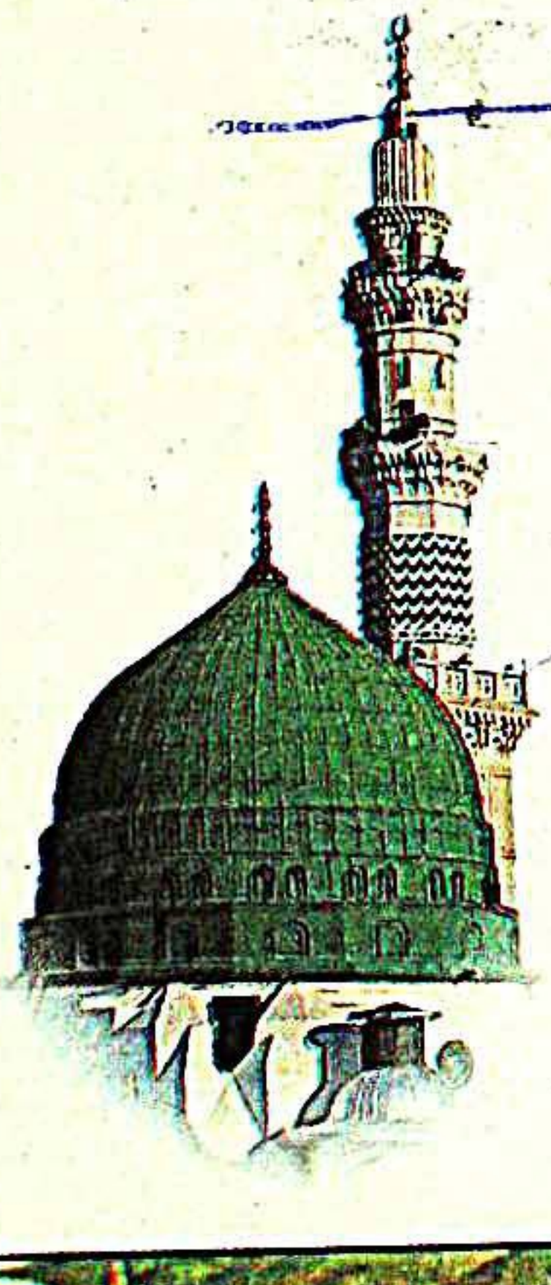

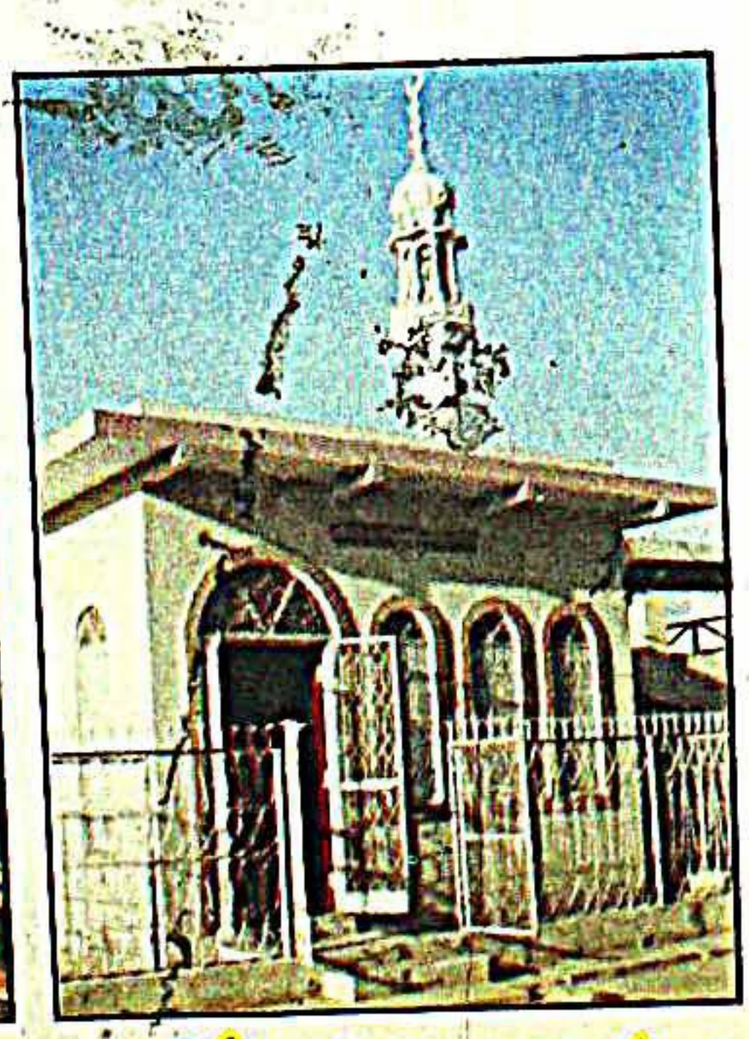

مزار مبارک حضرت بابا شاہ سلیمان چشتیؒ بہاولپور

مزار مبارک حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیر شریف

مولف

صاحبزادہ طارق علی احمد ابن بابا شاہ محمد سلیمان شاہ رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com